اچل پور

تاریخ اور ثقافت

خواجہ ربّانی

اچل پور

تاریخ اور ثقافت

مُرتِب

خواجہ ربّانی

زیرِ اہتمام ادارۂ ادبیاتِ برار، ناگپور

ادارۂ ادبیاتِ برار کا اشاعتی سلسلہ نمبر ۴

نام کتاب : اچل پور : تاریخ اور ثقافت

مرتب : ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین ربانی

ناشر : ادارۂ ادبیاتِ برار

پلاٹ -۱، پانڈے گارڈن، نزد جعفر نگر، ناگپور۔ ۱۳

طباعت : فائن پرنٹس، گاندھی باغ، ناگپور

کمپوزنگ : محمد یحییٰ جمیل / ناظم الدین قیصر

قیمت : ۱۲۵ (ایک سو پچیس روپے)

صفحات : ۲۱۲

تعداد : ۵۰۰

سال اشاعت : ۲۰۰۱ء

تقسیم کار : ۱۔ تاج بک ڈپو، محمد علی روڈ، مومن پورہ، ناگپور۔ ۴۴۰۰۱۸

۲۔ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، لال کنواں، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

۳۔ حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، چار مینار، حیدر آباد۔ ۵۰۰۰۰۲

ACHALPUR : TARIKH AUR THAQAFAT

EDITED BY

DR. G. S. KHWAJA RABBANI

PUBLISHED BY: IDARA-E-ADABIYAT-E-BARAR

PLOT NO. 1, PANDE GARDEN, JAFAR NAGAR, NAGPUR-440 013

2001

انتساب

اچل پور کی

تاریخ اور ثقافت پر محیط یہ کتاب

حضرت شاہ دولہا رحمٰن غازیؒ

کی روحِ پرنور سے منسوب کی جاتی ہے

جن کے دم سے اس دیار میں

پہلے پہل اسلامی اقدار

استوار ہوئیں

فہرستِ مضامین

تاریخ

آثار

ثقافت

ادب

سیمنار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

عہدِ وسطیٰ کی تاریخ میں برِصغیرِ ہندوستان، کئی سیاسی اُتار چڑھاؤ سے گذرا، کئی بڑے چھوٹے حکمران اپنی مملکتوں کے ساتھ ابھرے اور اپنے نشانات چھوڑ کر صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئے۔ اِن حکمرانوں کی کارکردگی نے ہم عصر مورّخین کو مجبور کیا کہ وہ تاریخ کے صفحات پر اُن کے حالات اور واقعات رقم کریں... اس طرح ہمیں عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ کے طور پر ایک اچھا خاصا سرمایہ دستیاب ہے۔

اسی عہدِ وسطیٰ کی تاریخ میں علاقۂ برار اور خاص طور سے شہر ایلچ پور یعنی موجودہ اچل پور بھی خاصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مسلمانوں کے دور حکومت سے قبل اس کی جو بھی حیثیت رہی ہو، لیکن عہد سلاطین خلجی (۱۳ ویں صدی عیسوی) اور اس کے بعد سے نولابانِ اچل پور (۱۸ ویں صدی عیسوی) تک یعنی تقریباً پانچ سو سال تک شہر اچل پور سیاسی، سماجی اور ثقافتی اہمیت کا حامل رہا۔ علاقۂ برار کا پایۂ تخت ہونے کے ناطے یہ شہر اربابِ اقتدار کے علاوہ امراء علماء، شعراء، اور دیگر ماہرینِ فنونِ لطیفہ کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ ۱۹ ویں صدی عیسوی میں بلاشبہ اس شہر کی اہمیت کم ہوگئی لیکن اس کے ماضی کی تابناکی بہر حال تاریخ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے عام طور سے اور اہل برار کے لیے خاص طور سے ہمیشہ اہمیت اور جاذبیت کی حامل رہی۔

شہر اچل پور کی تاریخ اور ثقافت کے حوالے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی

ہے کہ مختلف خاندانوں کے حکمرانوں کے اثر سے یہاں مختلف طرزِ فنِ تعمیر کے نمونے وجود میں آئے۔ ہندوستان اور وسطِ ایشیا کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے یہاں جمع ہونے سے یہاں کی زبان اور ادب نے اپنی ایک الگ شناخت قائم کی۔ یہاں کے رہنے بسنے والے لوگوں کی بود و باش، مذہبی رُجحانات، یک جہتی و ہم آہنگی، تہواروں اور تقریبوں کی رسومات و روایات بھی اپنا امتیازی مقام رکھتی ہیں۔ یہ تمام باتیں اس بات کی متقاضی تھیں کہ اچل پور کی تاریخ و ثقافت پر مبسوط و مربوط طریقے سے کوئی کام ہو۔

ماضی میں سید امجد حسین خطیب نے تاریخ امجدی اور چراغ برار نیز مولوی عبدالرزاق ذاکر نے برار کی تاریخ لکھ کر اس کی کو پورا ضرور کیا لیکن اچل پور کی تاریخ و ثقافت کے کچھ گوشے ضرور ایسے باقی رہ گئے جن پہ مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت تھی، خاص طور سے اردو داں طبقے کے لیے۔

استاذی ڈاکٹر سید عبدالرحیم، شیخ قاسم رضا اور دیگر صاحبان کی دیرینہ خواہش تھی کہ اچل پور کی تاریخ، کتبات، اولیاء، علماء، ادب و شاعری، فنِ تعمیر، ادبی تصانیف وغیرہ پر کچھ سنجیدہ کام ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خان منشاء صاحب کی وساطت سے ۴ر جنوری ۱۹۹۷ء کو ایک سیمنار کا انعقاد عمل میں آیا جس کا عنوان تھا : **'اچل پور : تاریخ و ادب کے آئینے میں'**۔ اس کے مشترک میزبان تھے مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی، ممبئی اور انتظامیہ کمیٹی، رحمانیہ ہائی اسکول و جونیر کالج، اچل پور۔

سیمنار میں پیش کیے گئے مقالات اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے بہت جامع اور وقیع تھے جن سے اچل پور کی ایک مکمل تصویر ابھر کر سامنے آگئی --- لہٰذا یہ

بات بھی ہر ایک کے دل کے گوشے میں کہیں ضرور تھی کہ 'نشستند وگفتند وبر خاستند' پر یہ سلسلہ ختم نہ ہو جائے --- ڈاکٹر سید عبدالرحیم صاحب کی خواہش اور اصرار تھا کہ اس سیمنار کی پروسیڈنگ کتابی صورت میں شائع ہو۔ چنانچہ استادِ محترم نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی۔ مجھے خوشی ہے کہ کچھ تاخیر سے سہی لیکن کسی قدر مربوط طریقے سے اس سیمنار کے مقالات کتابی صورت میں شائع ہو رہے ہیں۔ اس کام کی تکمیل کے لیے اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہم پر واجب ہے۔

اس کی ترتیب و پیش کش میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اچل پور کی تاریخ اور ثقافت کے ان پہلوؤں پر بھی روشنی پڑے جو کسی وجہ سے سیمنار کے موضوعات میں شامل نہیں کیے جاسکے تھے۔ اس طرح موجودہ کتاب اچل پور: تاریخ اور ثقافت میں کچھ ایسے مضامین اور معلوماتی ضمیمے بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو اچل پور کی تصویر پیش کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ اس کوشش کے پیچھے یہی خیال کار فرما ہے کہ قاری کو اچل پور کے حوالے سے مکمل مواد ایک ہی جگہ دستیاب ہو جائے۔

اچل پور پر اس سے قبل کچھ لکھا نہ گیا ہو ایسا نہیں ہے لیکن سارے موضوعات اور پہلوؤں کو محیط شاید یہ پہلی کوشش ہے۔

ترتیب کی سہولت کے پیشِ نظر اس کے، چار حصے تاریخ، آثار، ثقافت اور ادب کے ابواب کی صورت میں اس لیے بھی کیے گئے ہیں کہ موضوعات کی وحدت اور تسلسل قائم رہے۔

مجھ پر واجب ہو جاتا ہے کہ میں مقالہ نگاران کا شکریہ ادا کروں کہ انھوں نے اپنے مقالات اشاعت کے لیے فراہم کیے۔ ڈاکٹر سید عبدالرحیم کا خصوصی شکریہ اس

لیے بھی کہ آپ نے تاریخی کتابوں اور مخطوطات سے تاریخی واقعات اور شخصیات پر مواد اور حوالہ جات جمع کر کے اس کتاب کو درجۂ وثوق فراہم کیا۔

ارباب ِبرار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، امراوتی خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کے جزوی مالی تعاون سے اس کتاب کی اشاعت میں بہت مدد ملی۔

اس کتاب کی اشاعت اور طباعت میں محمد یحییٰ جمیل نے اپنی کوشش سے جو خوبی پیدا کی ہے، اس کے لیے میں ذاتی طور سے ان کا شکر گذار ہوں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قبولِ عام عطا کرے۔

الحمد لله الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات ؕ

خواجہ غلام السیدین ربانی

ناگ پور۔ ۴ر جولائی ۲۰۰۱ء

خطبۂ صدارت

شیخ قاسم رضا

اس پروقار ادبی محفل میں مدعو کئے جانے پر میں مہاراشٹر اردو اکیڈمی کا ممنون ہوں ۔ یہاں تحقیق وادب کے شہسوار جمع ہیں۔ میں ٹھہرا گردِراہ لیکن اصرارِ رحیمی اور منشائے منشاء سے انکار کی مجال نہیں کر سکا۔ دوسرے وطنِ مالوف کی سرزمین حقِ آب و گِل کی طالب تھی۔ اِس لئے حاضرِ خدمت ہونے کی جسارت کی۔ نیرنگیِ زمانہ نے مجھے صحرائے ریاضی میں اُٹھا پھینکا اور رضائے مولا پر لبّیک کہتے ہوئے میں پچاس سال سے اسی دشت میں سرگرداں ہوں۔ بازیافت اور تحقیق ادب اور تنقید کے لئے صبر و استقلال' عرق ریزی وباریک بینی اور مطالعے کی گہرائی مطلوب ہوتی ہے میں اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ مجھے کشاکشِ حیات سے فرصت نہیں اور نہ میرے پاس حوالہ جاتی کتب ورسائل کا ذخیرہ ہے اس لئے افکارِ پریشاں کے طور پر جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ چار دہائیوں کی یادداشتیں اور بزرگوں کی سُنی باتیں ہیں۔

میں جب اچل پور کا تصوّر کرتا ہوں تو اندھیری رات میں چمکتے چند تاروں میں سے وہ تارا نظر آتا ہے جو جلتا بُجھتا نظر آتا ہے۔ یہ شہر بھی ناموری اور گمنامی کے کئی دور دیکھ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شری کرشن مہاراج جب کونڈن پور کی راجکماری کے لئے تشریف لائے تو انھوں نے ایک شب یہاں قیام کیا تھا۔ پھر شاہ دولہار حمٰن غازیؒ کے جہاد کا واقعہ (۱۰۰۱ء) بیان کیا جاتا ہے۔ جین مذہب کے گرنتھ نِروان بھکتی میں

اچل پور کا تذکرہ ملتا ہے۔ مکتاگری کے جین مندر بھی قابلِ توجہ ہیں۔ شاہ دولہار حمٰن غازیؒ کے واقعات اور بہرائچ کے سید سالار مسعود غازیؒ کے واقعات میں مماثلت بھی غور کے لائق ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ کوئی مؤرخ اچل پور کی بُنیاد اور اس کے مختلف ناموں اچل پور، ایلچ پور اور ایرج پور پر تحقیق کرے اور یہ بھی معلوم کرے کہ چالوکیہ خاندان کے راجہ ایل، ایلورہ اور ایلچ پور میں کیا قدر مشترک ہے۔ اس وقت تک ہمیں یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہو سکتا ہے کہ جلتے بجھتے تارے کی طرح یہ شہر بھی ایک سے زیادہ مرتبہ آباد ہوا ہو اور بار بار تاراج ہوا ہو ۔

دل کی بربادی کا کیا مذکور ہے   یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

مسلمانوں کی اچل پور میں آمد اور یہاں قیام شاہ دولہار حمٰن غازیؒ کی آمد کے ساتھ ہوا۔ علاؤالدین خلجی دکن آیا تو یہاں قیام پذیر ہوا۔ یہاں سے روانہ ہو کر اس نے ۱۲۹۴ء میں دیوگیری کو فتح کیا۔ اچل پور سے علاؤالدین خلجی کی اُنسیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ دیوگیری کے صلح نامہ کے روسے اچل پور اور اس کے مضافات کو خلجی حکومت میں شامل کر لیا گیا اور انگریزوں کی آمد تک یہاں خلجی حکومت کے بعد تغلق حکومت اور پھر بہمنی حکومت رہی۔ اس کے بعد عماد شاہی دور شروع ہوا جو خوابِ پریشاں کی طرح ختم ہو گیا۔ پھر اچل پور نظام شاہی، مغلیہ حکومت اور آصف جاہی حکومت کے زیرِ اقتدار رہا۔

اچل پور کے آثارِ قدیمہ اپنی عظمتِ رفتہ کے امین ہیں۔

محمد تغلق کے داماد عماد الملک، مشیر سر تیز ترکمان نے ۷۴۸ھ میں جامع مسجد تعمیر کروائی۔ عید گاہ بھی عماد الملک مشیر سر تیز ترکمان کی بنائی ہوئی ہے۔ عید گاہ کے سامنے مشرق میں عماد شاہی بادشاہوں کی قبریں ہیں۔ روضۂ شاہ دولہار حمٰن غازیؒ

۷۶۷ھ میں صفدر خان سیستانی ناظم برار نے تعمیر کروایا۔ اس کا مقبرہ بھی اسی عہد کا ہے
حوض کٹورہ بہمنی عہد کی یادگار ہے اور فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اسے احمد شاہ ثانی نے
تعمیر کروایا تھا۔ مسجد دارالشفاء احمد شاہ بہمنی کے عہد میں عبدالقادر المخاطب بہ خان
جہان نے ۸۶۳ھ میں تعمیر کی۔ درگاہ شاہ دولہار رحمٰن غازیؒ کے قریب ساپن ندی کے
پاس کا گنبد احمد شاہ کی لڑکی مہنی کی قبر کا گنبد ہے۔ جامع مسجد کے قریب نظامت کی
مسجد شاہ بیگ خان ناظم برار کی تعمیر کردہ ہے جس کی تعمیر ۱۱۵۱ھ میں ہوئی۔ چوک کی
مسجد یا چھوٹی مسجد مرزا بیگ خان امیر تورانی نے قید خانہ توڑ کر ۱۱۲۰ھ میں بنوائی تھی
شاہ دولہار رحمٰن غازیؒ کی درگاہ کی فصیل ناگپور کے مودھاجی راؤ بھونسلہ نے تعمیر کروائی
اور شہر اچل پور کی فصیل ناظم برار نواب اسمٰعیل خان پنی نے اور نامدار باغ بے بہا باغ۔
آئینہ محل اور امام باڑے نواب نامدار خان پنی نے تعمیر کروائے۔

بہمنی سلطنت کے بانی حسن گنگو کے عہد میں صفدر خان سیستانی نے ۷۵۰ھ
(۱۳۴۹ء) میں اچل پور کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اس مدرسہ کا علمی
فیض دو سو سال سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ سندھی علماء کی ایک جماعت یہاں آکر
مقیم رہی اور درس و تدریس کے ذریعے علمی فیض پہنچایا۔ ان میں مولانا محمد ابراہیم
سندھیؒ، محمد اسحاق سندھیؒ، محمد یحییٰ سندھیؒ، محمد طاہر سندھیؒ، محمد قاسم سندھیؒ
محمد طیب سندھیؒ، محمد مبارک سندھیؒ، اور محمد اسحاق سندھیؒ کے اسمائے گرامی قابل
تحریر ہیں۔ حضرت عیسیٰ جنداللہؒ جو عہد اکبری کے مشہور صوفی بزرگ ہیں اچل پور ہی
میں پیدا ہوئے۔

برار کے قدیم شعراء میں شیخ غلام مصطفیٰ انسانؔ، محمد امین وفاؔ، موسوی مہدوی
سید غلام حسین چشتیؔ، نامدار خان پنی جرنیلؔ، انبا پرشاد طربؔ، بھوانی پرشاد نفیسؔ، منشی

حشمت رائے جانباز، منشی رام سیوک شگرتی، سید امجد حسین خطیب، شمس الدین فیض، یوسف میاں پیر زادہ کے اسماء گرامی ملتے ہیں۔

گاہے گاہے اوراق پارینہ کو پڑھنے سے ذہن کو جلا ملتی ہے اور قلب روشن ہوتا ہے لیکن ہم حال اور ماضی قریب سے منہ بھی نہیں موڑ سکتے۔ آر۔ کے۔ بابو نے اس کے پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ اس صدی کی ابتداء سے جو چند نام ابھر کے سامنے آتے ہیں کسی اچل پوری کو ان پر بھی قلم اٹھانا ہوگا ورنہ ہمیشہ کی طرح اہالیان شہر پر احسان فراموشی کا الزام آئے گا۔ خان صاحب مولوی سید عبدالرزاق صاحب ذاکر اپنی ذات میں ایک دبستاں تھے۔ ڈاکٹر سید عبدالرحیم صاحب نے تذکرہ مشاہیر برار میں ان پر ایک مختصر سا مضمون ضرور لکھا ہے لیکن مولوی سید عبدالرزاق صاحب کی شخصیت ایک بسیط مقالے یا Thesis کی متقاضی ہے۔ مرحوم سید الطاف حسین صاحب کی اہلیہ بغدادی بیگم صاحبہ اردو کی مشہور شاعرہ تھیں۔ قاضی سید کرم محی الدین، قاضی سید حنیف الدین، خورشید اچل پوری اور سعید افسر ایک ہی خانوادے کے درخشاں ستارے اور نہایت خوش گو شاعر ہیں۔ محمد شمشیر خان شمشیر، سید عبدالستار صاحب اختر اور اکبر میاں صاحب اکبر غزل گو اور نعت گو تھے۔ حضرت محمد ابراہیم شرار صاحب کی شخصیت گوناگوں صفات کی حامل تھی ادبی رسالے انیس کے بانی اور ایڈیٹر مذہبی اور اخلاقی رسالے محشر کے بانی اور ایڈیٹر ادیب شاعر رہنمایانہ اوصاف سے متصف، خاکسار تحریک جس کی شاہد ہے، اچھے مقرر اور قرآن پاک کو حرزِ جان بنا کر ترکِ وکالت کرنے والے۔

کرنل مرزا بسم اللہ بیگ جنھوں نے تذکرۂ قاریانِ ہند تین جلدوں میں تصنیف کی۔ پروفیسر منظور حسین شور، جوش اچل پوری حضرت غلام تاج الدین

صاحب کے گیتوں نے قادر علی صاحب کو خان صاحب کا خطاب دلوایا تھا اور جنگِ عظیم دوّم میں امراوتی ضلع میں گاؤں گاؤں قریہ قریہ پہنچے تھے ان میں سے ایک گیت خاص طور سے ؎

کون بنے گا منشی جی کون کرے گا ہاں جی ہاں جی
ہم تو بنے گا بھیّا میرے وار ٹیکنی شین والے

ان کی ایک نظم 'پھواڑ کر کی موٹر' مزاحِ لطیف کا عمدہ نمونہ ہے۔ ڈاکٹر سید نعیم الدین صاحب فنافی الکتاب شخصیت کے حامل ہیں انھوں نے اچل پور کے قدیم شعراء کو متعارف کرایا' ترکی میں تقریباً تین سال رہے۔ ترکی یونیورسٹی سے ڈی لِٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اقبالؔ اور رومیؔ کے تقابلی مطالعے میں اتھارٹی ہیں۔ ان کی تصنیف مریدِ ہندی اِس بات کی شاہد ہے۔ شیخ محمد وزیر آغا صاحب کو لکھنؤ والوں نے طوطیِ برار کا خطاب دیا تھا۔ ان کی غزلیں عرصے تک لکھنؤ کے رسائل میں چھپتی رہیں۔

موجودہ دور میں شاعری کے میدان میں سعید افسرؔ کے علاوہ سید صفدرؔ، حیدرؔ ریلیانی، گلشنؔ بیلیانی، متینؔ اچل پوری، خلشؔ تسکینی، سید اخترؔ، بابو آر کے، مظہر امامؔ، کبیرؔ حنفی وغیرہم اور طبعی وحیاتی علوم کے میدان میں ڈاکٹر سید محمد حسین خطیب اور ڈاکٹر سید ابرار حسین خطیب نے بیرونِ شہر بھی اپنی پہچان بنالی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ چند سنجیدہ افراد جو اردو زبان کے مزاج سے واقف ہوں اچل پور کے شعراء' ادباء اور تنقید نگاروں پر قلم اٹھائیں تاکہ برار سے باہر بھی لوگ جان سکیں کہ اچل پور مادی لحاظ سے کتنا بھی ویران کیوں نہ ہو، علم وادب کے لحاظ سے 'بلدۂ پرنور' ہے۔ ایک بار پھر مجلسِ استقبالیہ اردو اکیڈمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

☆☆☆

تاریخ
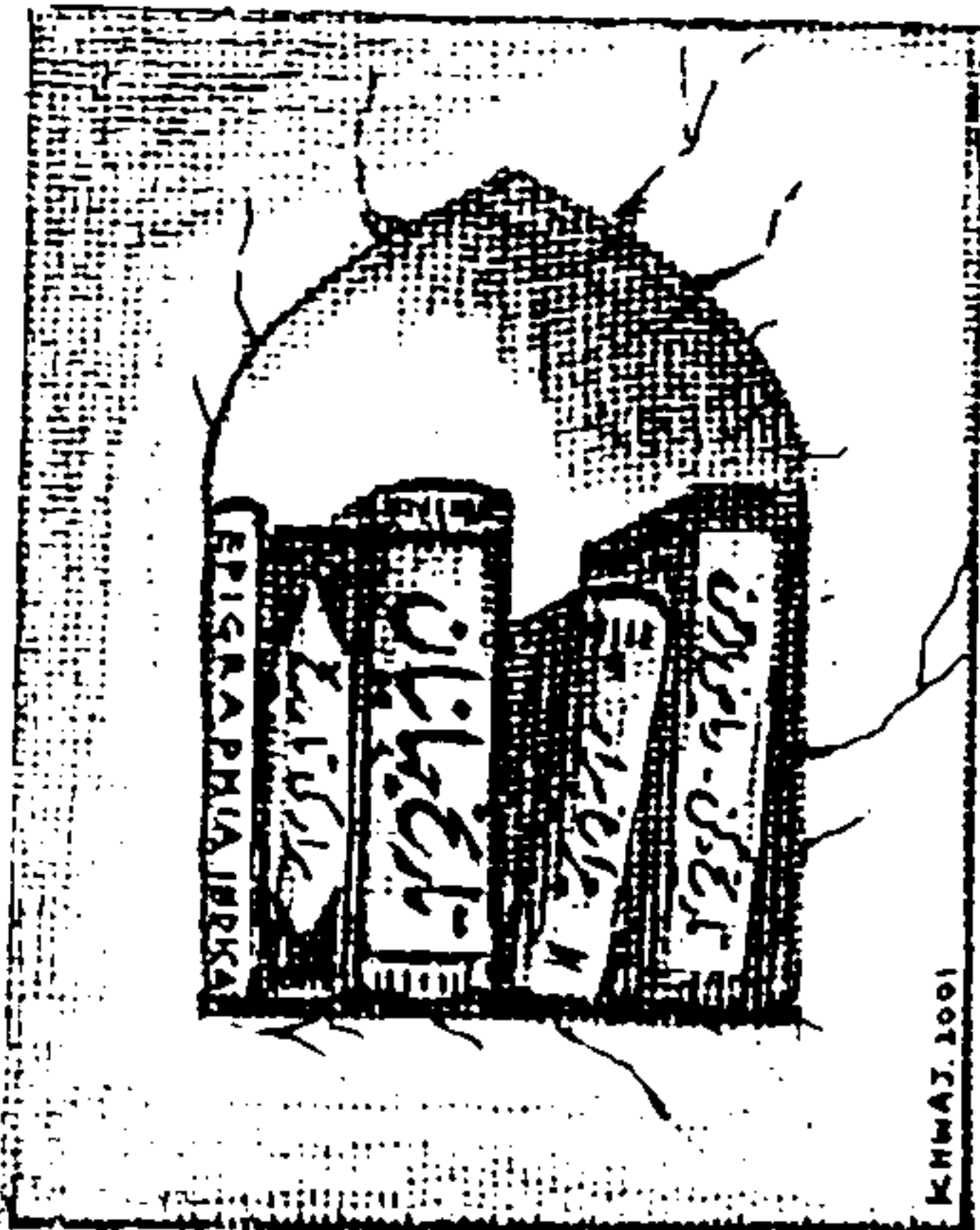
اچل پور کی وجہِ تسمیہ : ایک مطالعہ

خواجہ ربانی

(یہ تحقیقی مقالہ PLACE NAMES SOCIETY OF INDIA
کے ۸ اویں اجلاس ۱۹۹۸ء منعقدہ تریچور، کیرالہ میں پڑھا گیا اور
سوسائٹی کے جریدے کی ۱۹ اویں جلد میں شائع ہوا۔)

شیکسپئیر نے لکھا ہے۔ "نام میں کیا رکھا ہے"۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے نام بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اشخاص اور شہروں کے نام ایک خاص نیّت اور مقصد کے تحت رکھے جاتے ہیں اور تبدیل بھی کیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی کثرتِ استعمال یا ادائیگی کی آسانی کے پیشِ نظر کسی نام کا تلفظ خود بخود تبدیل ہو جاتا ہے یا Corrupt ہو جاتا ہے۔

پانچویں صدی عیسوی سے آج تک اچل پور شہر کا نام متعدد بار تبدیل ہوا۔ اس سلسلے میں اساطیری روایات تاریخی کتب، کتبات اور سِکّوں کی عبارت کی روشنی میں ایک مطالعہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یقیناً اہم ہوگا۔

عہدِ وسطیٰ کی ریاستِ برار کا پایۂ تخت اچل پور جو کسی زمانے میں ایک بارونق شہر اور ثقافت کا مرکز تھا آج ایک بے رونق مقام ہے۔ اِس کی شکستہ شہر پناہ، بے شمار تاریخی عمارات اور کھنڈرات اس شہر کے درخشندہ ماضی کی کہانی سناتے ہیں۔ فی الحال اچل

پور ریاستِ مہاراشٹر کے ضلع امراوتی کی تحصیل کا صدر مقام ہے جو ۲۱-۱۶ عرض البلد شمال اور ۷-۳۳ طول البلد مشرق پر واقع ہے۔[۱] ۱۹ویں صدی عیسوی کے آغاز تک آبادی کے اضافے کی وجہ سے اچل پور اپنی پڑوس میں واقع برطانوی عہد کی فوج چھاؤنی پرت واڑہ میں جغرافیائی اعتبار سے ضم ہو گیا۔ اس طرح فصیل بند اچل پور اور پرت واڑہ جڑواں شہر بن گئے ۔ موجودہ علاقۂ ودربھ میں واقع اس شہر اچل پور کی تاریخی داستان بہت طویل اور دل چسپ ہے۔

اچل پور کی وجہِ تسمیہ کے سلسلے میں ایک روایت بہت مشہور ہے جو بیشتر تاریخی کتب اور ڈِسٹرکٹ گزیٹیر میں نقل کی گئی ہے جس کے مطابق اس علاقے میں نویں صدی عیسوی میں جین مذہب کے پیرو راجا ایل کی حکومت تھی جو وِیسوت منو کا بیٹا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ راجا ایل نے اپنے دارالحکومت کے لیے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام خود کے نام کی نسبت سے ایل پور رکھا جو اس علاقے کی مقامی بولی اور مراٹھی زبان کے اثر سے "ایل چاپور" یعنی ایل کا شہر ہو گیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ نام ایلچ پور ہو گیا۔[۲] اس سلسلے میں تاریخِ امجدی کے علاوہ کسی اور تاریخی کتاب میں اس روایت کا ذکر نہیں ملتا۔ یادو مادھو کاڑے نے بھی اپنی کتاب وَرھاڑاچا اِتہاس میں یہی روایت تاریخِ امجدی کے حوالے سے لکھی ہے۔[۳] عہدِ وسطیٰ کی اسلامی تاریخ میں البتہ اچل پور کے راجا ایل اور مشہور بزرگ اور ولی اللہ شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ کا ذکر ضرور ملتا ہے جس میں ان نوجوان ولی کو شہادت نصیب ہوئی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی چنانچہ مذکور ولی ' شہید اور غازی دونوں القاب سے یاد کیے جاتے ہیں (شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ سلطان محمود غزنوی کے بھتیجے تھے

اور سید سالار مسعود غازیؒ بہرائچی کے ہم عصر تھے۔ آپ نے ۱۰۰۱ء میں شہادت پائی اور اچل پور میں آسودۂ خواب ہیں)۔

یہاں ایک دل چسپ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ راجا ایل اور اسکے عہد میں مبیّنہ شہر کی تاسیس سے قبل اچل پور نام سے ایک گاؤں اِسی جگہ موجود تھا۔ چوتھی صدی عیسوی میں لکھی گئی جین مذہب کی مشہور کتاب نِروان بھکتي میں اچل پور نام کی ایک جگہ کا ذکر ہے۔[۴] متعلقہ سنسکرت شعر اسطرح ہے ۔

اچَل پور ورانی یاد ے اِسّانی مدھی گری سِھر ے

ا ھو تیا کوڈی یو نِت وان _ گیا نامو تیسی

(ترجمہ : اچل پور کی شمال مشرق میں مَدھی گرِی (موجودہ مُکتا گرِی) پہاڑی واقع ہے جس پر تین کروڑ زائرین نے نجات حاصل کی۔ انھیں سلام)

اِس شعر میں مذکور شہر اچل پور کے، زیرِ مطالعہ شہر اچل پور ہونے کی تصدیق عبارت میں دی گئی سمت سے کی جا سکتی ہے۔ اِس سلسلے میں جہاں تک کتبات کی عبارتوں سے توثیق کا سوال ہے ہمیں وِدربھ کے وکاٹک راجاؤں کے زمانے کی ایک تانبے کی لوح ملی ہے۔ جو 'چمک پلیٹ' کے نام سے موسوم ہے۔ اس پلیٹ میں اچل پورہ نام کے ایک گاؤں کا ذکر ہے۔ دراصل وکاٹک خاندان کے راجہ پرور سین ثانی (پانچویں صدی عیسوی) کے زمانے میں چمک نامی ایک دیہات برہمنوں کو گذارے کے لئے بطور خیرات دیا گیا تھا۔ چمک گاؤں کا فاصلہ اچل پورہ دیہات سے ناپا گیا جو کہ مدھو (چندر بھاگہ) ندی کے کنارے پر واقع تھا۔ آج بھی چندر بھاگہ ندی اچل پور سے گذرتی ہے۔ اس وقت اچل پور وکاٹک حکومت کے علاقے بھوج کٹہ راشٹر (ضلع) میں واقع تھا[۵]۔ یہ جگہ راشٹر کوٹ

اجاؤں کے زمانے میں بھی اچل پور ہی کے نام سے موسوم رہی۔

جہاں تک ماہرینِ لسانیات (Linguists) اور ماہرینِ اسماءِ اماکن (Onomastists) کی رائے کا سوال ہے وہ کہتے ہیں کہ سنسکرت سے پالی زبان میں کسی لفظ کو اپنایا جاتا ہے تو اس کے حروف آپس میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہی اچل پور کے ساتھ بھی ہوا۔ یعنی च اور ल ایک دوسرے سے بدل گئے اور اچل پور تبدیل ہو کر ال‌چ پور ہو گیا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح وارانسی سے وانارسی (اور بعد میں بنارس) ہو گیا۔ اس تعلق سے مشہور زبان داں اور مؤرخ ڈاکٹر سید عبدالرحیم کی بھی رائے یہی ہے۔[٦]

تاریخ کے وسطی دور میں اچل پور کو ایرج پور بھی لکھا گیا ہے۔ اچل پور کے متوطّن مؤرّخ اور فارسی زبان کے مشہور شاعر و ادیب سید امجد حسین خطیبؔ نے برار کی تاریخ پر اپنی کتاب تاریخِ امجدی میں لکھا ہے کہ راجۂ کیشوراج نے ایران کے بادشاہ منوچہر بن ایرج کی مدد سے اپنا کھویا ہوا ملک راجا سام نریمان سے دوبارہ حاصل کیا تھا اس احسان کے بدلے کیشوراج نے اپنے محسن کے باپ کے نام سے شہر ایرج پور آباد کیا۔ اس نام کا 'ر' فارسی میں آکر 'ل' سے بدل گیا اور یہ شہر ایلچ پور کہلایا اور بعد میں ایلچ پور ہو گیا۔[٧] یہاں یہ بات صاف ہو جانی چاہئے کہ راجا کیشوراج اور راجا سام نریمان کے درمیان کسی جنگ کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا اور اس علاقے کی جنگ میں ایران جیسے دور افتادہ ملک کے بادشاہ کی مدد بعید از قیاس ہے۔ یہ توجیہ محض افسانہ معلوم ہوتی ہے۔

ہاں اسی کتاب میں ایرج پور کے لئے دوسری وجہِ تسمیہ قابلِ قبول ہے۔ وہ یہ کہ پہلے پہل برار کا علاقہ سلطان علاؤالدین خلجی کے حملے کے بعد مسلمانوں کے تصرف میں آیا تو ناصرالدین خسرو شاہ کے زمانے میں ایرج خان صوبۂ برار کا ناظم مقرر ہوا تھا۔

برار کا صدر مقام ایرج خان کے نام کی رعایت سے ایرج پور کہلاتا تھا۔[8] مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس دور کے معاصر مؤرّخ ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب تاریخِ فیروزشاہی میں اِس شہر کو اچل پور ہی لکھا ہے۔[9]

شہر اچل پور کی فصیل میں کئی دروازے ہیں۔ جن میں سے ایک دروازے (جیون پورہ گیٹ) پر نصب اور حال ہی میں دریافت شدہ ایک فارسی کتبہ میں اس شہر کا نام 'اِلچ پور' لکھا ہے۔ یہ کتبہ گلبرگہ کے بہمنی سلطان احمد شاہ بہمنی دوم کے عہد (۱۴۳۴ء۔۵۷) کا ہے جس میں اِلچ پور کا ذکر بہ حیثیت 'عرصہ' (ریاست کا صدر مقام) کیا گیا ہے۔[10] واضح رہے کہ برار بہمنی سلطنت کی چار 'اطراف' میں سے ایک 'طرف' (ریاست) تھا جس کا صدر مقام شہر اچل پور تھا۔

سولھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی بزرگ محمد غوثی شطاری مانڈوی نے اپنی فارسی کتاب گلزارِ ابرار میں' جسے انھوں نے مانڈو میں ۱۶۱۳ء میں مکمل کیا، اچل پور کو ایرج پور لکھا ہے۔[11]

مغل شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اچل پور میں چاندی کے سکّوں کی ایک ٹکسال قائم کی گئی تھی۔ جس میں چاندی کے روپے کے ساتھ تانبے کے فلوس بھی ڈھالے جاتے تھے۔ یہ سکّے لاہور میوزیم میں آج بھی دستیاب ہیں۔ یہ ٹکسال شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں بھی قائم رہی۔ شہنشاہ شاہ جہاں کے عہد میں اچل پور حویلی اور پرگنے کا صدر مقام بن گیا جو سرکار گاویل (گڑھ) کے ماتحت تھے۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو اچل پور کا مرتبہ بڑھ کر صوبۂ برار کے صدر مقام کا ہوگیا۔ مغلوں کے تمام فرامین اور دستاویزات میں اس شہر کا نام ایلچ پور لکھا جاتا رہا اور

اکثر بلدۂ پر نور کا لقب بھی ایلچ پور سے پہلے قصداً لکھا جاتا رہا ہے۔

کچھ سالوں کیلئے اورنگ زیب نے ایرج خان ثانی کو برار کا گورنر مقرر کیا تھا اس زمانے میں ایرج خان نے ایلچ پور سے اپنے نام کی صوتی قربت Phonetic Proximity کا فائدہ اٹھا کر اس کا نام ایرج پور رائج کر دیا۔ اسی لیے خافی خان نے اپنی تاریخی کتاب منتخبُ اللُباب میں ایلچ پور کو ایرج پور لکھا ہے۔[۱۲]

اخیر مغل شہنشاہوں کے زمانے میں جب علاقائی ریاستیں خود مختار ہونے لگیں تو ناگپور کے بھونسلا راجاؤں کو بھی دہلی کے مغل شہنشاہ محمد شاہ کی طرف سے چوتھ ٹیکس وصول کرنے کے ساتھ سکّے ڈھال کر جاری کرنے کے اختیارات بھی عطا ہو گئے۔ ان سکّوں کی ایک جانب مغل شہنشاہ کا نام ہوتا اور دوسری جانب بھونسلا راجاؤں کی ٹکسال کا نام اور مخصوص نشانی ہوتی۔ چنانچہ اچل پور کی ٹکسال سے مسکوک شدہ یہ سکّے اپنی ٹکسال کے نام کی وجہ سے 'اڑبھا پوری' سکّے کہلاتے تھے۔ یہ تبدیلی مراٹھی تلفّظ کی وجہ سے واقع ہوئی تھی کیونکہ ایلچ پور کا مراٹھی روپ 'اڑس پور' تھا۔ اسی طرح ایک مراٹھی کتبے میں اس مقام کو واضح طور پر اڑس پور لکھا گیا ہے۔

جب اچل پور کا انتظام و انصرام پٹھان نسل کے پنّی نوابوں کے ہاتھوں میں آیا تو انھوں نے بھی اس شہر کا نام ایلچ پور ہی باقی رکھا جیسے کہ نواب اسماعیل خاں پنّی کے فارسی کتبات سے ثابت ہے۔[۱۳] نواب اسماعیل خاں پنّی کے پوتے نواب نامدار خاں پنّی (۱۸۲۴-۴۵ء) نے اپنے خود کے سکّے اچل پور کی ٹکسال سے ڈھال کر رائج کیے تھے جن پر ضرب کا نام ایلچ پور بہت وضاحت سے کندہ ہے۔

حیدر آباد کے آصف جاہی حکمرانوں اور انگریزوں کے درمیان ہوئے مشہورِ زمانہ معاہدے کے بعد برار کا علاقہ ۱۸۵۳ء میں برطانوی انتظامیہ کے حوالے کر دیا گیا

تب بھی یہ شہر ایلچ پور کے نام ہی سے موسوم رہا۔ یہاں تک کہ آزادیٔ ہندوستان (۱۹۴۷ء) کے بعد تک اسے ایلچ پور ہی کہا جاتا رہا۔ ۱۹۶۰ء میں جب مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش ریاستوں کی دوبارہ حدبندی ہوئی تو اس شہر کا نام پھر سے اچل پور کر دیا گیا۔[۱۴] اس طرح ۱۵۰۰ سال کے طویل سفر کے بعد اس شہر کا اصل نام پھر سے بحال ہو گیا۔

مشہور ماہرِ تعلیم اور مورّخ پروفیسر قاسم رضا کا خیال ہے کہ دہلی کی طرح اچل پور بار بار اُجڑا اور ہر بار ایک نئے نام کے ساتھ آباد ہوا، لیکن یہ بات قرینِ قیاس نہیں لگتی۔ حقیقت یہی ہے کہ اچل پور کی آبادی اُسی جغرافیائی مقام پر مسلسل قائم رہی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اُس کی سیاسی حیثیت اور آبادی کے شمار میں کمی زیادتی ہوتی رہی ہو لیکن نام کی تبدیلی کی وجہ یا تو حکمرانوں کی مرضی رہی یا باشندوں کی زبان وادائیگی کی سہولت۔

مراجع و مصادر

۱۔ امپیریل ڈسٹرکٹ گیزیٹیر آف انڈیا۔ جلد ۱۲' (آکسفورڈ۔۱۹۰۸) ص ۹

۲۔ امجد حسین خطیب۔تاریخ امجدی (حیدرآباد۔۱۸۷۰) ص ۲۸

۳۔ یادومادھو کاڑے۔ورھاڑا چااِتہاس (بلڈانہ۔ ۱۹۲۳) ص ۷۰

۴۔ انڈین اینٹی کویری جلد ۴۲ (۱۸۸۳) ص ۲۲۰ ؛ ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۱۱' ص ۲۷۸ ؛ کاڑے ایضاً ص ۷۱

۵۔ ایضاً جلد ۱۲ ص ۲۴۰ ؛ رائے بہادر ہیرالال ۔ انسکر پشنز ان دی سنٹرل پراونِسِز اینڈ بیرار (ناگپور۔۱۹۳۲) ص ۱۳۹ ؛ ڈسٹرکٹ گزیٹیر امراوتی (ممبئی۔ ۱۹۶۸) ص ۴

٦۔ ابی گرافیاانڈکا جلد۱۱ص ۸۷ ۲ ؛ سید عبدالرحیم کلمات (ناگپور۔۱۹۹۵) ص ۳۱
۷۔ امجد ایضاً 'ص ۳۱
۸۔ ایضاً 'ص ۲۵
۹۔ ضیاءالدین برنی۔تاریخ فیروز شاهی (کلکتہ۔۱۸٦۲) ص ۲۲۲
۱۰۔ اینول رپورٹ آن انڈین ابی گرافی ۹٦۔۱۹۹۵ نمبر ۳۴
۱۱۔ محمد غوثی شطاری مانڈوی۔گلزار ابرار (قلمی مخطوطہ) فضل احمد جیوری (اردو ترجمہ) اذکار ابرار (آگرہ ۱۹۰۸) ص ۵۰۹، ۴۲۵
۱۲۔ امجد ایضاً ' ص ٦٦
۱۳۔ ابی گرافیاانڈکا اریبک اینڈ پرشین سپلیمنٹ (دہلی۔۱۹۷۵) ص ۵۹
۱۴۔ رحیم ایضاً ۔ ص ۳۲

☆☆☆

بلدۂ رنگ و نور : اچل پور

ڈاکٹر محمد یٰسین قدوسی

علاقۂ برار اور خاص طور پر اچل پور شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ عرف دولہار حمٰن کے مدفن کی وجہ سے مشہور ہے۔ حضرت کی اس شہر میں آمد اور وصال یہاں کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مقامی روایتِ تاریخ اور بزرگانِ دین پر لکھی گئی کتابوں سے ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ شاہ دولہار حمٰن غازیؒ ۳۹۲ ہجری / ۱۰۰۱ء عیسوی میں یہاں تشریف لائے اور یہاں کے مقامی راجہ سے، جسے ایل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، معرکہ آرائی ہوئی راجہ کو شکست ہوئی اور خود حضرت بھی ۱۱/ ربیع الاول ۳۹۲ھ یعنی ۱۰۰۱ عیسوی میں شہید ہوئے آپ کی تدفین اچل پور ہی میں عمل میں آئی جہاں آپکا شاندار مقبرہ آج بھی موجود ہے۔

(۲)

تاریخ کا سفر جاری رہا۔ ۱۱۸۷ء میں دیوگیر (دولت آباد) پر یادو خاندان کی حکومت قائم ہوئی برار اور اچل پور اسکی حکومت کا حصہ تھے۔ ۱۲۹۴ء میں دہلی کے حکمران سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجہ اور داماد علاؤالدین خلجی جو الہ آباد کڑہ کا گورنر تھا اپنے علاقے سے نکل کر اچل پور پہنچا اور یہاں قیام کر کے اچانک دیوگیر پر حملہ آور ہوا، معرکہ آرائی کے بعد راجہ رام دیو سے صلح نامہ پر دستخط ہوئے جس کے مطابق اچل پور برار پر خلجی سلطان کی حکمرانی تسلیم کر لی گئی۔ علاؤالدین خلجی دیوگیر سے لوٹ کر

اچل پور ہوتا ہوا دارالسلطنت لوٹ گیا۔ ۱۳۰۷ء میں سلطان علاؤالدین خلجی کے دور میں علاقۂ برار کی گورنری اچل پور میں متعین کر دی گئی۔ ۱۳۱۲ء میں دیوگیر کی حکومت ختم ہوئی اور یہ علاقہ خلجی حکومت کے قبضے میں آگیا اور قطب الدین علوی اچل پور کا گورنر بنایا گیا۔

(۳)

غیاث الدین تغلق نے اپنے داماد عمادالملک کو برار (اچل پور) کا گورنر مقرر کیا۔ اور محمد بن تغلق کے وقت بھی وہ برار کا سر لشکر رہا اس نے اچل پور میں ایک عمارت تعمیر کرائی جسے بارگاہِ کل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا جو اب بھڑ کل کے نام سے موسوم ہے۔ اچل پور کی موجودہ جامع مسجد اور عیدگاہ بھی عمادالملک نے تعمیر کروائی تھی جو اُس دور سے آج تک شہر کی پر رونق زندگی کی آئینہ دار ہے۔ عمادالملک، بہمنی سلطنت کے قیام کے وقت جنگ میں کام آیا اور بہمنی دور کا آغاز ہوا۔

(۴)

بہمنی دور میں برار اس کا اہم صوبہ بنا رہا شہر اچل پور اور قلعہ گاویل گڑھ سیاسی اہمیت کے مرکز تھے یہاں کے گورنر کو مجلس عالی کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بہمنی امیر صفدر خاں سیستانی اچل پور میں رہ کر یہاں کی سماجی مذہبی زندگی میں اہم کردار ادا کرنے میں کامیاب ہوا۔ شاہی مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس طرح علم و ادب اور فنون کے میدان میں بھی اچل پور شہر ترقی کرنے لگا۔ نئی نئی تعمیرات عمل میں آنے لگیں۔ شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کا مقبرہ بھی اسی دور کی نشانی ہے۔ ۱۳۷۵ء میں اس نے وفات پائی اور اچل پور میں شاہ غازیؒ کے احاطہ میں مدفون ہے۔ بہمنی سلاطین میں فیروز شاہ بہمنی نے اچل پور کا دورہ کیا یہاں قیام بھی کیا اور اسی قیام کے دوران کھیرلہ کا گونڈ تابع حکمراں

نرسنگھ دیو سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کا طلبگار ہوا تھا۔ اسی قیام کے وقت فیروز شاہ نے دلکشا محل کا سنگِ بنیاد رکھا جو اچل پور کی تاریخی عمارتوں میں قابلِ دید رہی۔

(۵)

محمود گاواں کی حکمتِ عملی کے مطابق بہمنی سلطنت آٹھ صوبوں میں تقسیم کر دی گئی۔ برار بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک گاویل گڑھ اچل پور کا علاقہ دوسرا ماہکر۔ یہ دونوں صوبے الگ الگ گورنروں کے تحت کر دیے گئے۔ ۱۴۹۵ء میں جب برار میں عماد شاہی حکومت کا قیام ہوا تب دونوں حصے ایک نہیں تھے۔ ۱۵۱۷ء میں علاؤالدین عماد شاہ نے دونوں کو متحد کر کے پورے برار کی پچھلی جغرافیائی حیثیت بحال کر دی۔ اچل پور اس زمانے میں عماد شاہ کا پایۂ تخت بن گیا۔ ۱۵۷۴ء میں احمد نگر کے نظام شاہی حکمراں نے برار کی حکومت ختم کر کے اسے اپنی حکومت کا حصہ بنا لیا اور برار پھر ایک بار ماتحت صوبہ بن کر رہ گیا۔

(۶)

اُدھر مغل بادشاہان شمالی ہندوستان پر تو تسلط قائم کر چکے تھے لیکن دکن تک پہنچ نہیں سکے تھے۔ مغل حکمران اکبر نے برار کو حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اس سلسلے میں فوجی کاروائی شروع ہو گئی۔ ۱۵۹۵ء میں برار کے لئے مختلف محاذوں پر لڑائیاں ہوئیں اور احمد نگر کی نظام شاہی حکومت برار کا صوبہ مغلوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئی اور ۱۵۹۶ء میں اس معاہدے پر دستخط بھی ہو گئے۔ دکن میں مغل سلطنت کی وسعت کا آغاز اسی برار کے قبضے سے ہوا اور یہ صوبہ ۱۷۲۴ء تک مغلیہ حکومت کا حصہ بنا رہا۔ اچل پور کے ساتھ دوسرے علاقے خوب سرسبز اور شاداب ہوئے نیز ملکی ترقی اور تعمیرات کا نیا دور شروع ہوا۔ یہ علاقہ پیداوار میں سرِ فہرست مانا گیا۔

ہندو مسلمان اتحاد کا گھوارہ بن کر تاریخ کا زرّیں باب کہلایا۔ ۱۷۲۴ء سے جب دکن میں نظام الملک آصف جاہ اوّل نے خود مختار حکومت قائم کی، جو حیدرآباد کی ریاست کے نام سے مشہور ہوئی، تو ۱۸۵۳ء تک یہ اسی ریاست کے ماتحت رہا۔ اچل پور اور دوسرے علاقوں پر پنّی افغان نوابوں نے حیدرآباد کی حکومت کے ماتحت اپنی عملداری جاری رکھی جن کے زمانے میں اچل پور میں بڑے تعمیراتی کام ہوئے اردو زبان پھلی پھولی اور انگریزوں کی آمد بھی شروع ہو گئی۔ ۱۸۵۳ء کے بعد اچل پور برار اینڈ سنٹرل پراونس کے ساتھ ملادیا گیا اور اس طرح انگریز پوری طرح اس علاقے کے حکمران بن گئے۔ ۱۹۴۷ء میں آزادی کے ساتھ ہی حیدرآباد کو آزاد ہندوستان میں شامل ہونے کا موقع دیا گیا اور ۱۹۴۸ء میں اس کو حقیقت کا روپ بھی دے دیا گیا۔ برار پھر بھمنی ریاست اور بعد میں صوبہ مہاراشٹر میں شامل ہو کر ملکی ترقی میں اپنا رول بحسن وخوبی ادا کر رہا ہے۔ مذہبی رواداری اور قومی ہم آہنگی اچل پور کی تہذیب کا ایک جزو رہا ہے۔ جس کی مثال ناگپور کے مرہٹہ بھونسلے راجگان کی شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ سے عقیدت اس علاقے کی تہذیبی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

(۷)

اچل پور کے پنّی نواب اور ناگپور کے بھونسلے راجہ مودھاجی کے مراسم بڑے گہرے تھے۔ مودھاجی نواب اسمٰعیل خان پنّی سے ملاقات کرنے اچل پور آیا کرتا تھا۔ مودھاجی شاہ دولہار حمٰنؒ کا معتقد ہوا اور دلی مراد پوری ہو جانے کے بعد یعنی جب اسے ناگپور ریاست کی حکمرانی مل گئی تب اس نے درگاہ کی چار دیواری اور خوشنما دروازے تعمیر کروائے۔ اس کی یہ تعمیرات ہندو مسلم رواداری کی ثبوت ہیں۔

(۸)

(۸)

اس شہر کی عظمت کو چار چاند لگانے والی عمارتوں میں حوض کٹورہ' دلکشا محل' عید گاہ' جامع مسجد' شہر پناہ اور اس کے مختلف دروازے' چوک کی مسجد' دار الشفاء مسجد وغیرہ قابلِ دید رہی ہیں۔ صدیوں کے سفر کے ساتھ ساتھ ان کی مرمت اور رکھ رکھاؤ میں کوتاہیاں ہو سکتی ہیں لیکن ان میں دکن اور برار کا فنِ تعمیر نمایاں ہے۔

(۹)

علاقۂ برار اور اچل پور کی تاریخ و ادب سے روشناس کرانے والی کئی تصانیف ہیں جن میں ملحقاتِ طبقاتِ ناصری، تاریخِ فرشتہ، برھانِ مأثر' آئینِ اکبری، مآثر الامراء، تاریخِ خانجہانی مخزنِ افغانی، تاریخِ رشید الدین خانی اور تاریخِ امجدیہ قابلِ ذکر ہیں۔ ہمیں ان کتابوں میں برار اور اچل پور کا رنگ روپ نظر آتا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں برار کا گزیٹیر شائع ہوا۔ مولوی عبدالجبّار صوفی صاحب ملکاپوری نے تاریخِ اولیاءِ دکن اور ادھر مراٹھی میں یادو مہادیو کاڑے نے ورھاڑاچا اِتہاس لکھ کر اپنا فریضہ پورا کیا۔ شریمتی لیلا دیشپانڈے نے مغلوں کے عہد میں برار کا نظام زراعت لکھ کر بڑا تحقیقی کام کیا جس میں ان ساری دستاویزات کا ذکر ہے جو اس علاقے سے متعلق ہیں۔ میری دو کتابیں، برار مغل عہد میں اور مغلوں سے قبل صوبہ برار اس علاقے کی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ جناب ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی نے صوبۂ دکن کی تاریخ میں یہاں کی عمارات اور تعمیرات پر بڑی اہم معلومات فراہم کی ہیں، جن سے اچل پور کا مقام نمایاں ہوتا ہے۔ جناب ڈاکٹر سیّد نعیم الدین نے مختلف علمی و ادبی مضامین شائع فرمائے تذکرۂ مشاھیرِ برار، میں اچل پور کی تاریخ و تہذیب پر بھرپور مواد ملتا

ہے۔ محترمہ دردانہ باسط کی کتاب اچل پور کے چند قدیم اردو شعراء میں اور کلمات نامی کتاب میں جناب ڈاکٹر سیدّ عبدالرحیم نے مضامین لکھ کر اچل پور کی ادبی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ کتبات پر ہیرالال کی کتاب، میجر ھیگ کی دکن پر کتاب، حکومت ہند کے محکمۂ آثارِ قدیمہ کا تحقیقی رسالہ، ایپی گرافیا انڈیکا 'برار اور اچل پور کے کتبات پر ایک دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ سلسلۂ تحقیق خدا کرے جاری رہے۔ مولوی عبدالرزاق صاحب کی غیر مطبوعہ برار کی تاریخ بھی اس سلسلے کی اہم تصنیف ہے۔ تاریخ، ثقافت اور ادب کا یہی رنگ اور یہی نور اچل پور کا حصہ رہا ہے اور کامیابی کا جوہر بھی۔

برار کے حکمراں، صوبیدار اور ناظم

دورِ قدیم (غیر مسلم حکمراں)

خاندان۔ اندھیرا (ست واھن)	۲۲۳ قبل مسیح
خاندان۔ شترپ	دوسری اور تیسری صدی عیسوی
خاندان۔ واکاٹک	چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی
خاندان۔ ولبھی	چھٹی صدی عیسوی نصف اول
خاندان۔ چالوکیہ	۵۶۷ء تا ۷۵۳ء
خاندان۔ راشٹر کوٹ	۷۵۳ء تا ۱۱۸۷ء
خاندان۔ چالوکیہ	(دوبارہ برسرِ اقتدار)
خاندان۔ یادو	۱۱۷۸ء تا ۱۲۷۱ء

دورِ وسطیٰ (مسلم حکمران)

حکمراں	صوبیدار / ناظم برار	دورِ اقتدار
خاندانِ خلجی :	————————	۱۲۹۴ء تا ۱۳۲۰ء
علاؤالدین خلجی	ایرج خان ناظم برار	۶۹۴ھ / ۱۲۹۶ء
شہاب الدین	.....	.....
قطب الدین مبارک شاہ	قطب الدین علوی ناظمِ برار	۷۱۲ھ / ۱۳۱۲ء
خسرو خان	.....	.....

خاندان تغلق : ——————— ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۳ء

غازی الدین خان غیاث الدین	ملک برہان الدین	۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء
محمد بن تغلق عرف الغ خان	.....	.....
غیاث الدین تغلق ثانی	.....	.....
ابوبکر شاہ	.....	.....
ناصر الدین محمد شاہ	.....	.....
ہمایوں سکندر شاہ	.....	.....
نصرت شاہ	.....	.....
ناصر الدین محمود	.....	.....

خاندان بہمنی: ——————— ۱۴۱۳ء تا ۱۴۹۰ء

علاؤالدین حسن گنگو	صفدر خان سیستانی	۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء تا ۷۹۹ھ/ ۱۳۹۷ء
محمد شاہ حسن	.....	.....
مجاہد شاہ	.....	.....
داؤد شاہ	.....	.....
محمود شاہ	.....	.....
غیاث الدین	صلابت خان بن صفدر خان سیستانی	۷۹۹ھ/۱۳۹۷ء
شمس الدین	.....	.....
فیروز خان	.....	.....

احمد شاہ ولی	عبدالقادر خان جہان	٨٦٣ھ/ ١٤٥٨ء
محمد شاہ	.....	.....
ہمایوں شاہ	.....	.....
نظام شاہ	.....	.....
ابوالمظفر محمد شاہ	حسن بصری نظام الملک صوبیدار	.....
	یوسف عادل خاں صوبیدار	٨٧٣ھ/١٤٦٨ء
	فتح اللہ عماد الملک صوبیدار	.....
محمود شاہ ثانی	علاؤالدین	.....

خاندان عماد شاہی: —————— ١٤٩٠ء تا ١٥٧٥ء

فتح اللہ عماد الملک عماد شاہ	.....	.....
علاؤالدین عماد شاہ	.....	.....
دریا عماد شاہ	.....	.....
برہان عماد شاہ	.....	.....

خاندان نظام شاہی: —————— (١٥٧٥ء تا ١٥٩٦ء)

مرتضٰی نظام شاہ	خداوند خان	.....
	سید مرتضٰی سبزواری	.....
	جمشید خان	.....
	سید امجد الملک مہدوی	.....
	نور خان	.....

برہان نظام شاہ	خواجہ فانی دہداری	

خاندان مغلیہ: —————— (۱۵۹۶ء تا ۱۸۵۳ء)

اکبر	شاہزادہ مراد صوبیدار	۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء
	شاہزادہ دانیال صوبیدار	۱۰۰۶ھ / ۱۵۹۷ء
جہانگیر	ایرج خان ناظم برار	۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء
	شہ نواز خان	۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء
	عبدالرحیم خان خاناں صوبیدار	۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء
	داراب خان صوبیدار	۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء
	راجا مان سنگھ	۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸ء
شاہجہاں	شاہ بیگ خان	۱۰۵۱ھ / ۱۶۴۱ء
	معتقد خان (الہ وردی خان)	۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۵ء
	عیسیٰ خان	.....
	پہدار خان	.....
	راجا جے سنگھ	.....
	مرزا خان	۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء
	منوچہر	۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء
	میر محمد مومن خان	۱۰۶۸ / ۱۶۵۷ء
اورنگ زیب	حسام الدین	۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء
	اختصاص خان	۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء

	شاہ بیگ خان	۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء
	ایرج خان	۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء
	داؤد خان	۱۰۷۷ھ/ ۱۶۶۶ء
	خان زمان خان صوبیدار برار	۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء تا
		۱۰۸۵ھ/ ۱۶۷۴ء
	ایرج خان ثانی	۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء تا
		۱۰۹۰ھ/ ۱۶۷۹ء
	خانِ جہاں کوکلتاش	.....
	حسن علی خان	۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۵ء
	محمد صادق خان	۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۶ء
	علی مراد خان	۱۱۰۶ء / ۱۶۹۴ء
	بشارت خان	.....
	سید عسکر خان	.....
فرخ سیر	منظور خان	۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء
	عضد الدولہ عوض خان	۱۱۳۴ھ / ۱۷۲۱ء
	نواب شجاعت خان	۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء
محمد شاہ	جمال خان قسورہ جنگ	۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۰ء
	جمال الدین خان	۱۱۴۹ھ/ ۱۷۳۶ء
	رستم خان	۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء
	خواجم قلی خان	.....

جمیل بیگ خان ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء

سید لشکر خان ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء

سید شریف خان ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء

سید محمد خان بہادر ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء

نواب صلابت جنگ بہادر صوبیدار ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء

سید صدر الدین ۱۱۷۲ھ / ۱۷۵۸ء

غلام سید خان معین الدولہ سہراب جنگ .....

شاہ عالم ثانی — محمد اسمٰعیل خان پنّی بہادر ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۴ء تا

۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء

برہان الدولہ سید عاقل خان بہرام جنگ ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء

احتشام جنگ ۱۱۹۸ھ / ۱۷۸۳ء

محمد صلابت خان پنّی ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء

(محمد صلابت خان پنّی بن محمد اسمٰعیل خان پنّی آخری ناظم برار تھے۔ ان کے انتقال کے بعد خاندان کے افراد کو جاگیریں دی گئیں اور وہ نواب کہلائے۔)

نواب محمد نامدار خان پنّی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء تا ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء

نواب ابراہیم خان ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء تا ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء

نواب غلام حسن خان

(دامادِ ابراہیم خان) ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء تا ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء

۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ء کو علاقۂ برار انگریزی حکومت کے قبضہ میں آگیا۔

☆☆☆

آثار
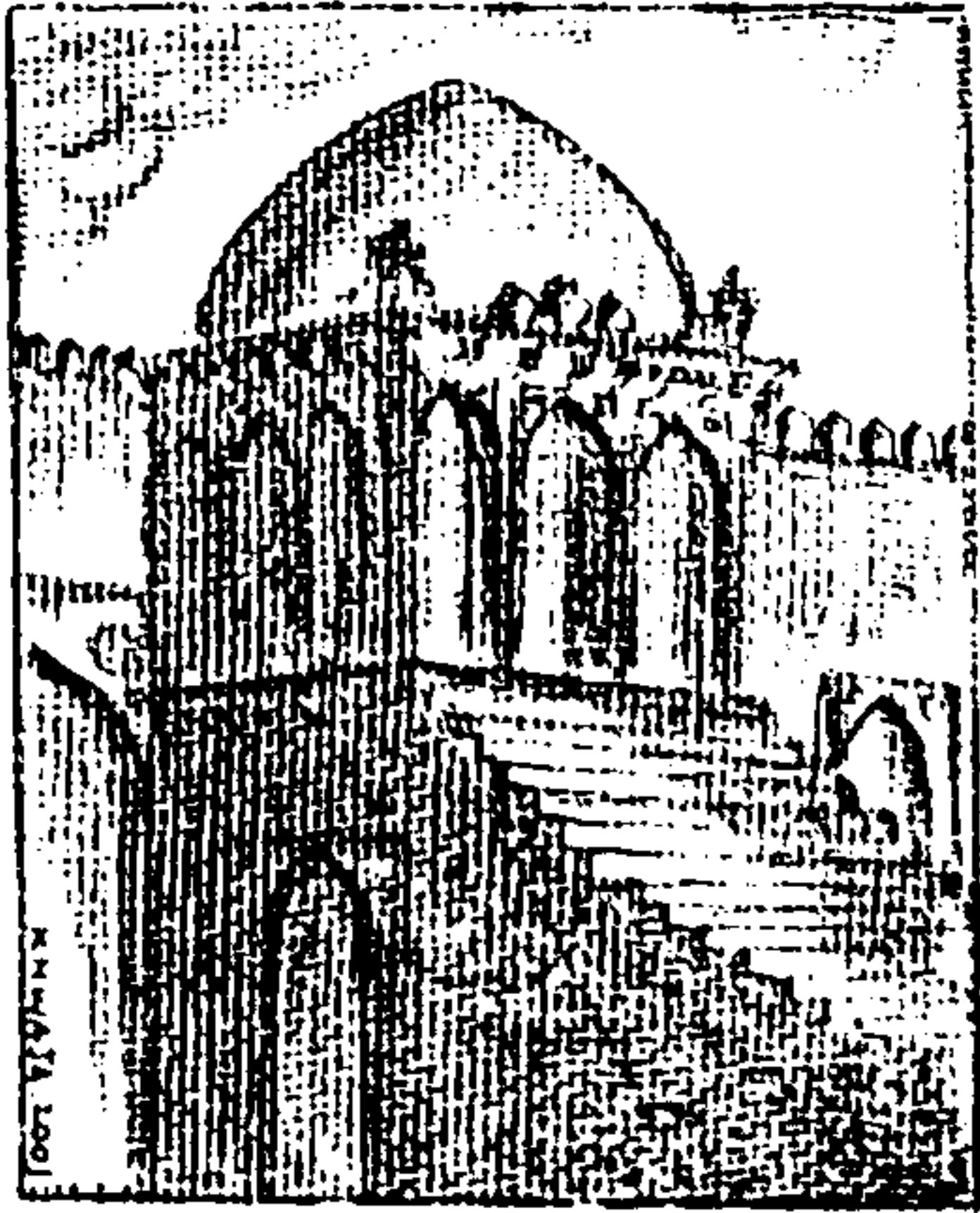
اچل پور کے کتبات

خواجہ ربانی

کتبات ہماری تاریخ، ادب، ثقافت، معیشت، عقائد، فنِ خطاطی اور دیگر فنون کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

کتبات جہاں تاریخ کی توثیق کر کے اس کی گم شدہ کڑیوں کو ملاتے ہیں، فنِ تعمیر اور فنِ خطاطی کے شاہ کاروں کا پتہ دیتے ہیں وہیں یہ لسانیات، طرزِ تحریر Palaeography علم اسماء الرجال واماکن Onomatology اور جغرافیہ کی کئی ان بجھ پہیلیوں کو بوجھنے میں سب سے قابلِ اعتبار ذریعہ بنتے ہیں۔

آج جب ہم شہر اچل پور کے ادب اور تہذیبی ورثے کی بات کر رہے ہیں تو یہاں کے عربی، فارسی اور اردو کتبات کا جائزہ بھی اس سلسلے کی اہم کڑی بن جاتا ہے کیونکہ شاید کتبات کے بغیر کوئی بھی تاریخ مکمّل نہیں ہو گی۔

اچل پور کی تاریخ کئی اُتار چڑھاؤ سے گذری ہے اور اس سفر کے نشانات عمارتوں اور کتبات کی صورت میں سرزمینِ اچل پور پر آج بھی ثبت ہیں۔ شہر اچل پور کی تاریخی عمارتوں اور قبروں پر بے شمار کتبات نصب ہیں جن میں سے تقریباً ۵۰ کتبات ہمارے محکمے کی کوششوں سے روشنی میں آئے ہیں، ان میں سے کچھ ایسے کتبات کا ذکر میں اپنے مقالے میں کر رہا ہوں جن سے اچل پور کی سیاسی تاریخ، ادب و شاعری، مذہبی رجحانات و رواداری پر روشنی پڑتی ہے۔

شہر اچل پور کے آباد ہونے کا ذکر تقریباً تیسری صدی عیسوی سے ملتا ہے۔ تانبے کی لوح پر کندہ سنسکرت عبارت میں سب سے پہلے ' اچل پورا ' نام کی ایک بستی کا ذکر کیا گیا جو ودربھ کے واکاٹک راجا پرور سینا ثانی کے زمانے میں آباد تھی۔ اُس وقت اِس شہر کا نام اُن ہی ہجّوں سے لکھا جاتا تھا جن سے ہم آج لکھتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ زمانے کے ہاتھوں یہ شہر ذرا ذرا سی تبدیلیوں کے ساتھ اچ پور، اچلپور اور ایرج پور کہلایا اور اب پھر اچل پور ہو گیا۔

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اِس شہر کو غیر معمولی اہمیت تغلق سلاطین کے زمانے میں ملی جب تغلق کے بھتیجے اور داماد عماد الملک سر تیز ترکمان نے یہاں علاقائی صدر مقام بنایا اور قابلِ ذکر تعمیرات کیں۔ عید گاہ اور دار الشفا کی مسجد اُسی دور کی نشانیاں ہیں۔ بد قسمتی سے ان عمارات پر کوئی کتبہ نصب نہیں ہے۔ بہمنی سلاطین کے عہد نے اچل پور شہر کو حوض کٹورہ، جامع مسجد، حضرت شاہ عبد الرحمٰن غازیؒ کے مزار کا گنبد اور اس کی تعمیر کرنے والے صفدر خان سیستانی کے مقبرے اور اُن اطراف میں دیگر گنبدوں سے نوازا۔

اچل پور میں عربی، فارسی کا سب سے قدیم کتبہ تقریباً دو سال قبل دریافت ہوا۔ یہ کتبہ بہت دلچسپ اس لیے بھی ہے کہ یہ جیون پورہ دروازے کی اندرونی جانب اُلٹا نصب ہے۔ بہمنی سلطان احمد شاہ ثانی (۸۳۸۔۶۲ھ / ۱۴۳۵۔۵۷ء) کے اس کتبے میں ایک مسجد کی تعمیر کا ذکر ہے جو شاید اب موجود نہیں اور شہر پناہ کی تعمیر میں اس کا ملبہ بھی استعمال ہو گیا۔ معماروں کی 'حروف ناشناسی' سے وہ الٹا دیوار میں 'چُن دیا گیا'۔ اِس کتبے میں شہر کا نام اِلچ پور لکھا گیا اور اس کی حیثیت ایک 'عرصہ' کی لکھی گئی، یعنی علاقے کا پایۂ تخت۔

اس کے بعد ایک اور اہم کتبہ ہے قلعۂ گاویل گڑھ سے۔ قلعہ کی جامع مسجد کے جنوب مغربی دروازے پر وہ واحد کتبہ ہے جس میں فتح اللہ عماد الملک کا ذکر ہے جس نے ۸۹۳ھ / ۱۴۹۳ء میں مسجد کی مرمّت کروائی۔ دو سال بعد عماد الملک نے خود مختاری کے اعلان کے بعد عماد شاہی حکومت کی تاسیس کی۔ یہ کتبہ عماد شاہ کا واحد کتبہ ہے اور اچل پور کی سیاسی تاریخ سے تعلقِ خاص رکھتا ہے۔ عماد شاہی خاندان کے سلطانوں کی قبروں کے تعویذ بھی حال کی دریافت ہیں جو عیدگاہ کے قریب کے کھیتوں میں پڑے ہیں۔ اُن پر صرف قرآنی آیات کندہ ہیں۔

سن و تاریخ سے مزیّن اب تک کا سب سے قدیم کتبہ ہے احاطۂ درگاہ شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ میں قاضی میر عبدالحق کی لوحِ مزار کا۔ جس میں بہت خوبصورت نستعلیق میں فارسی اشعار کندہ ہیں۔ سن ہے ۹۵۱ھ / ۸۴-۱۵۸۳ء جو میر عبدالحق کے انتقال کی تاریخ ہے۔

شہنشاہ اکبر کے دور میں مراد اور چاند بی بی سلطان کے درمیان ایک سمجھوتے کے تحت برار اور اچل پور نظام شاہیوں کے ہاتھوں سے نکل کر مغلوں کے ماتحت آگیا۔ مغلوں نے اپنی حکومت کی کئی نشانیاں یہاں چھوڑیں جس میں نظامت کی مسجد، پھوٹی مسجد، چوک کی مسجد، شہر کے کچھ قریب خانِ زماں کی مسجد اور جامع مسجد کی مرمّت کا کام قابلِ ذکر ہے۔

صوری اعتبار سے اچل پور کا سب سے خوبصورت اور سب سے طویل و عریض کتبہ ہے جامع مسجد کے صدر دروازے کا۔ یہ کتبہ ہے اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد اور ۴۱ویں سنہ جلوس یعنی ۱۱۰۸ھ / ۹۷-۱۶۹۶ء کا تحریر کردہ جس میں علی مردان خان' جو اورنگ زیب کے امراء میں تھے، کے ذریعے جامع مسجد اور حوض کی

تعمیرِ نو کا ذکر ہے۔ فارسی کے سات اشعار نہایت خوبصورت ثُلث (عربی) رسم الخط میں لکھے گئے ہیں۔ جس کے خطاط ہیں محمد ہاشم۔ اس کتبہ میں شہر اچل پور کے ایک اہم عہدہ دار شاہ محمد بیگ کا ذکر بھی ہے۔

چوک کی مسجد کے نام سے موسوم چھوٹی مسجد کے ایک کتبہ کے مطابق سنہ ہجری ۱۱۲۰ھ / ۴۳-۱۷۴۲ء میں مرزا بیگ خان نے ایک مسجد بنوائی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ فارسی اشعار میں اس جگہ ایک زندان (جیل خانہ) کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔

مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کے کئی کتبات اچل پور میں ہیں۔ ایک کتبہ تو دولھا دروازے پر نصب ہے جو ۱۱۸۰ھ / ۶۷-۱۷۶۶ء کا ہے۔ اس کے لفظ ظفر سے تعمیر کی تاریخ نکلتی ہے۔

ہیرا پورہ دروازے کی جانبین میں دو کتبات منظوم فارسی میں ہیں۔ سنہ ہجری ۱۱۸۰ھ کے ان کتبوں میں اسمٰعیل خان بہادر پنّی ناظمِ صوبہ برار کے ہاتھوں شہر پناہ اور دروازے کی تعمیر کا ذکر ہے ان میں خوش خبر خان کا ذکر ہے جو عاملِ پرگنۂ اچل پور (Revenue collector) تھے۔ مالی پورہ دروازے کے کتبے میں پہلی بار شاہ عالم کا نام حذف کر دیا گیا۔ یہ بات آصف جاہی حکمرانِ حیدرآباد کی مرکزی مغل بادشاہ کی ماتحتی سے خود مختاری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

نواب اسمٰعیل خان پنّی کے ایک کتبہ میں، جو بلند پورہ دروازے پر نصب ہے اسمٰعیل خاں کو بہ نسل فتحان لکھا ہے۔ لفظ 'پٹھان' کو اس طرح لکھنا اپنے اندر کافی دلچسپی رکھتا ہے۔ ایک تو عربی میں "پ" اور "ٹ" نہ ہونے کے سبب اور دوسرے اس لفظ کی اصل کے سبب۔ ماہرینِ لسانیات واشتقاق نے لفظ پٹھان کی اصل بھی "فتحان" یا

"فاتحان" یعنی جیتنے والے لکھی ہے۔

ضریح کے امام باڑے میں نصب ۱۲۲۶ھ / ۱۲-۱۸۱۱ء کے کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ نواب نامدار خان پنی کے خسر اور وزیر محمد فتح خان نے یہ امام باڑا بنوالیا تھا۔ یہ کتبہ نوابوں کے عقائد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نامدار باغ کا سنہ ۱۲۲۹ھ / ۱۴-۱۸۱۳ء کا کتبہ اس لئے اہم ہے کہ ایک تو وہ اچل پور کا پہلا اردو کتبہ ہے دوسرے اسے ایک غیر مسلم شاعر منشی حشمت رائے جانباز نے لکھا ہے۔ ایک اور کتبہ درگاہ کی مسجد کا بہت اہم ہے اس لئے کہ اس کتبے کو تصنیف کیا ہے ایک غیر مسلم شاعر راجہ رائے نے اور اس کے خطاط بھی ایک غیر مسلم ہیں منشی ہیرالال معجز قلم۔ ہندو مسلم رواداری کی اس سے بہتر کیا مثال ہوگی کہ مسجد کا کتبہ دو ہندوؤں نے مل کر ترتیب دیا۔

۱۲۳۸ھ / ۲۵-۱۸۲۴ء کا آئینہ محل کا کتبہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اب نہ تو آئینہ محل باقی ہے اور نہ اس کا یہ کتبہ۔ ہمارے ریکارڈ میں موجود یہ کتبہ اب آرکائیول اہمیت کا حامل ہے۔ اردو کے ایک اور شاعر ضیغم کا نام ہمیں ملتا ہے ان کے لکھے ہوئے ایک کتبے میں جو دلھن صاحبہؒ کی مزار پر موجود ہے۔

اب آیئے چار ایسے فارسی کتبات کا ذکر کریں جن سے اچل پور شہر کی مذہبی رواداری کی روایت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ہیں ناگپور کے بھونسلہ راجاؤں کے وہ کتبے جو انھوں نے شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ کے مزار کے اطراف احاطہ اور اس میں چار دروازے بنوا کر ان پر نصب کیے۔ مراٹھا پیشواؤں نے بھونسلوں کو چوتھ ٹیکس وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا اور وہ نظامِ حیدرآباد کے فائز کردہ گورنر کے ماتحت تھے۔ یہ مخصوص نظام دو عملی نظام کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس دو عملی کے زمانے میں مذہبی رواداری کو بھی فروغ ملا۔ بعد میں یہ بھونسلہ امراء ناگپور کے خود مختار راجا ہو گئے۔

درگاہ کے احاطہ کے مغربی دروازے پر فارسی اشعار کندہ ہیں۔ ۱۱۸۹ھ / ۷۶۔۱۷۷۵ء کے اس کتبہ میں شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ کو رونقِ ملک برار کہا گیا ہے۔

دراصل یہ کتبہ بتاتا ہے کہ راجہ مودھاجی بھونسلہ نے صحنِ درگاہ میں ایک دروازہ تعمیر کروایا جو راجپوت قوم کے سردار اور قلعہ دارِ گاویل گڑھ، جھام سنگھ کی ایماء پر عزالدّین کی نگرانی میں تعمیر ہوا۔

اِسی طرح کے ایک اور کتبے میں ۱۱۹۱ھ / ۷۸۔۱۷۷۷ء میں مشرقی دروازے کی تعمیر کا ذکر جسے راجہ مودھاجی نے بنوایا، اس میں فارسی کے ایک شاعر فریاد کا ذکر ہے۔

ایک اور کتبے کے مطابق جنوبی دروازہ راجہ مودھاجی نے اُس وقت تعمیر کیا جب 'سینا صاحبِ صوبہ' کے عہدہ پر اُن کا تقرّر ہو گیا۔ دراصل راجہ نے درگاہِ شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ پر مِنّت مانی تھی۔ اور پھر اُسی سال ان کے بھائی سایاجی بھونسلہ کا، جو اس عہدہ کے دعویدار تھے انتقال ہو گیا۔ مودھاجی پر یہ عہدہ بحال ہو گیا۔ اس کتبے سے مراٹھا راجہ کی شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ سے عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح کا ایک شمالی دروازہ راجہ رگھوجی بھونسلہ نے بھی ۱۱۹۰ھ / ۷۷۔۱۷۷۶ء میں میر مہدی کے استصواب پر بنوایا تھا۔ میر مہدی اچل پور میں داروغہ عمارات کے عہدہ پر فائز تھے۔ وقت کی کمی کے پیشِ نظر ایک طرف تو کچھ کتبات کو قصداً چھوڑ دینا پڑا۔ اور جن کا ذکر کیا گیا ان کی تفصیل نہیں بیان کی گئی۔ ورنہ یہ کتبات اتنے اہم ہیں کہ ان پر علیٰحدہ علیٰحدہ سیر حاصل مقالات لکھے جائیں۔

☆☆☆

شہر اچل پور کے آثارِ قدیمہ

(تاریخِ امجدی اور چراغ برار مولفۂ سید امجد حسین خطیب اور
تاریخ برار مولفہ سید عبدالرزاق ذاکر سے ماخوذ)

مسجدیں

خلجی عہد کی مسجد : حافظ سردار خان جمعدار کے مکان کے قریب محلّہ پیربامن میں علاؤالدین خلجی کے عہد کی سنگین مسجد تھی۔ یہ مسجد غالب خان کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲۰۲ھ (۸۸۔۱۷۸۷ء) میں منگل خان نے اس کی مرمّت کروائی۔

جامع مسجد : اس مسجد کو محمد تغلق کے داماد عمادالملک مشیر سر تیز ترکمان نے ۷۴۸ھ (۴۸۔۱۳۴۷ء) میں تعمیر کروایا۔ ۱۱۰۸ھ مطابق ۴۱ جلوسِ عالم گیری (۱۶۹۶ء) میں حاکم برار علی مردان خان نے شاہ محمد بیگ کے ذریعہ اس کی مَرمّت کی اور حوض کھُدوایا۔ ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء) میں نواب حسن خان نے اس کے گنبد کی، جو گر چکا تھا، مرمت کروائی۔

مسجد دارُالشفاء : احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں ناظمِ برار برادر جان بخش عبدالقادر خان جہان نے ۸۶۳ھ (۱۴۵۹ء) میں اس کی تعمیر کروائی۔

نظامت کی مسجد : پولس تھانے کی مغرب میں سنگین مسجد ہے جسے نظامت کی مسجد کہا جاتا ہے۔ اس مسجد کو ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ء) میں شاہ بیگ خان نے تعمیر کیا تھا۔

چاول منڈی کی مسجد : ۱۰۷۰ھ (۱۶۵۹ء) میں ایلچ خان ناظم برار نے اسے تعمیر کروایا تھا جسے کفش گروں کی مسجد کہتے ہیں۔ جب وہ شکستہ ہو گئی تو محمد علی انعامدار نے سِفال پوش تیار کیا۔

فرمان پورہ کی مسجد : قاری سید حسن نے اواخرِ عہدِ عالم گیری میں اِس مسجد کی تعمیر کروائی۔

چوک کی مسجد : تورانی امیر نے جسے بادشاہ (بہادر شاہ) کی جانب سے میرزا بیگ خان کا خطاب ملا تھا ۱۱۲۰ھ (۱۷۰۸ء) میں یہ مسجد تعمیر کروائی اور اس میں حوض کھدوایا۔ یہ مسجد قید خانے کی جگہ تعمیر کی گئی تھی۔ اسے چھوٹی مسجد بھی کہا جاتا ہے۔

درگاہ کی مسجد : درگاہ شاہ دولہا رحمٰن غازیؒ کی مسجد حاکم برار منظور خان نے ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸ء) میں تعمیر کروائی۔ نواب حسن خان نے ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) میں اس کی مرمّت کروائی۔

بدھوارہ کی مسجد : اس مسجد کو ناظم برار عوض خان عضدالدولہ نے ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۱ء) میں تعمیر کروایا تھا۔

منظور پورہ کی مسجد : اس مسجد کو بھی حاکم برار منظور خان نے ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸ء) میں تعمیر کروایا۔

فضلو میاں کی مسجد : فضلو میاں صاحبؒ کے مقبرے میں مسجد ہے جسے شاہ غلام حسین چشتیؒ نے ۱۱۷۸ھ (۶۵-۱۷۶۴ء) میں تعمیر کروایا تھا۔

تھڑی کی مسجد : محلہ بندیل پورہ میں فرقہ مہدویہ کی مسجد ہے جسے تھڑی کی مسجد کہتے ہیں اسے ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) میں اسمٰعیل جی میاں پیرزادہ

نے تعمیر کروالیا۔

بیلابانی کی مسجد : اس مسجد کو نواب محمد صلابت خان بہادر نے تعمیر کروایا۔

اشرف پورہ کی مسجد : اسے نوری میاں پیرزادہ نے ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں تعمیر کروایا۔

قاصد پورہ کی مسجد : پیر چندا صاحب کی مسجد بہت قدیم ہے۔ لعل محمد سوداگر نے ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں اس کی مرمّت کروائی۔

سبزی منڈی کی مسجد : اسے تیرگروں اور آتش بازوں کی مسجد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد بھی قدیم ہے۔

بیگم پورہ کی مسجد : یہ مسجد شاہ بایزید صاحب کی مسجد اور مسجد چار مینار کہلاتی ہے۔

جوہری پورہ کی مسجد : حویلی نواب کبیر خان سے متصل داور خان نیازی کی مسجد ہے۔

عید گاہ

اچلپور کی عید گاہ محمد تغلق کے داماد عماد الملک مشیر سر تیز ترکمان نے ۱۳۴۷ء میں تعمیر کروائی۔ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں میر محبوب علی خان آصف جاہ کے عہد میں جمدۃ الدولہ نے محمد عزیزالدین کی مدد سے اس کی مرمّت کروائی۔

مقبرے

گنجِ شہداء : اچل پور اور پرتواڑہ کے درمیان امراوتی کے راستے پر گنجِ شہداء ہے۔ اس جگہ حضرت شاہ دولہا رحمٰن غازیؒ کے ہمراہ جہاد میں شہید ہونے والے ساتھی دفن ہیں۔

مقبرۂ شاہ غازیؒ : شاہ دولہا رحمٰن غازیؒ کے مقبرے کو ناظم برار صفدر خان سیستانی نے ۷۷۲ھ (۱۳۷۰ء) میں تعمیر کروایا درگاہ کی مسجد کی مشرقی

جانب مقبرے میں صفدر خان خود آسودۂ خواب ہے۔ درگاہ کا احاطہ ناگپور کے بھونسلے راجا مودھاجی نے بطور منت ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں تعمیر کروایا اس تعمیر کا اہتمام عزالدین اور جھام سنگھ کے ذمہ تھا۔ داخلی دروازہ کے سامنے بچھن ندی کے کنارے عظمت خان ولد بھیکن خان قایم خانی نے ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں سرِ چراغاں کی تعمیر کروائی۔

بہمنی دور کے مقابر : ۸۲۹ھ (۱۴۲۶ء) میں احمد شاہ بہمنی اچل پور آیا اسی عرصہ میں اس کی دو لڑکیوں مہمنی اور جہمنی کا انتقال ہو گیا ان کے مزار کے گنبد بچھن ندی کے پل کے قریب درگاہ شاہ دولہا رحمٰن غازیؒ کی مغرب میں سرِ راہِ چھاؤنی پرت واڑہ قائم ہیں۔

مقبرۂ قاسم سندھیؒ : حضرت شیخ عیسیٰ جنداللہؒ کے والدِ محترم شیخ قاسم سندھیؒ (۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء) کا مقبرہ سندھی پورہ میں ہے۔

قبور سلاطین عماد شاہیہ : عید گاہ کی مشرقی جانب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر کھیت میں فتح اللہ عماد الملک اور دیگر عماد شاہی بادشاہوں کی قبریں ہیں جن کے تعویز پر آیاتِ قرآنی کندہ ہے۔

باغ موسیٰ : درگاہ شاہ دولہار رحمٰن غازیؒ کے قریب مغرب میں باغ موسیٰ کے نام سے قدیم قبرستان ہے۔ جس میں قبروں کے تعویز پر بطرزِ قدیم آیات قرآنی کندہ ہے۔

مقبرۂ منظور خان : ناظم برارِ منظور خان کا مقبرہ نصیب پورہ کے آگے واقع ہے وہیں اُسکا باغ بھی تھا۔

فضلو میاں کا گنبد: اس گنبد کو شاہ سید غلام حسین چشتیؒ نے اپنے والد شاہ سید غلام حسنؒ مرشد شاہ اسماعیلؒ کی قبروں پر ۱۱۹۳ھ (۸۰-۱۷۷۹ء) میں تعمیر کروایا تھا۔ اس گنبد کی شمال میں ایک چھوٹا گنبد سید غلام حسین چشتیؒ کی والدہ کی قبر پر تعمیر کیا گیا۔

بے بہا باغ: نولبان اچل پور کا قبرستان جسے بے بہا باغ کہا جاتا ہے محلّہ سَر مَست پورہ میں ہے۔ اس قبرستان میں تمام نولبانِ اچل پور آسودۂ خواب ہیں اس قبرستان کو نواب نامدار خان پنی نے ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں تعمیر کروایا تھا۔

محلات

دل کشا منزل: فیروز شاہ بہمنی نے ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) میں قلعے کے اندر ایک خوبصورت محل تعمیر کروایا اور اس کا نام دل کشا منزل رکھا۔ یہ عمارت دو منزلہ تھی جس میں جگہ جگہ پتھر کی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ موضع زرسالہ کے نالے سے پُختہ نہر کھدوا کر محل میں اور اسکے چاروں طرف حوضوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔ ستونوں کے ذریعہ محل کے دوسرے منزلے میں پانی چڑھایا جاتا تھا یہ محل ایک زمانے تک ناظمانِ برار کا مسکن رہا۔ اس کے شکستہ ہو جانے کے بعد ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں جوڈیشیل کمشنر نے اس کو تڑوا کر چھاؤنی (پرتواڑہ) میں گیند گھر کی دیوار بنوائی اور اپنی پتھروں سے کچہری تحصیلی تعلقہ اچل پور کی تعمیر کی گئی۔ اس دل کشا منزل کا ایک حصہ قدیم حویلی کی صورت میں اب بھی موجود ہے

جس میں مونسپل کمیٹی ہے۔ موضع نرسالہ میں نکلی ہوئی نہر جب شکستہ ہوگئی تو سید بھیکن خان داروغہ نے نواب صلابت خان پنی کے حکم سے ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں نہر کو درست کروایا۔ دولہا دروازہ کے قریب اس نہر کا بمبا (منبع) آج بھی ہمیں نظر آتا ہے۔

لکڑ محل : دارُالشّفاء کی مسجد کی شمال مغرب میں ناظمِ برار عبدالقادر خانِ جہان (بانیٔ مسجد دارُالشفاء) نے لکڑ محل کی تعمیر کروائی اس محل کی بنیادیں اب بھی نظر آتی ہیں۔

آئینہ محل : نواب نامدار خان پنی نے ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۲ء) میں محلہ دیوڑھی میں یہ محل تعمیر کروایا تھا۔ یہ محل اب مِسمار ہو چکا ہے۔

بھڑ کل : جامع مسجد کی مغرب میں واقع یہ عمارت بھی عہد تغلق میں تعمیر ہوئی عہدِ بہمنی اور عماد شاہی دور میں جامع مسجد میں دینی مدرسہ تھا اور بھڑ کل کی یہ عمارت طلبہ کی دار الا قامہ تھی ۔ نولبان اچل پور کے عہد میں اسے قید خانہ اور بارود خانہ بنادیا گیا۔

حوض کٹورہ : مثمّن مینار کی شکل کی چار منزلہ عمارت جسے حوض کٹوارہ کہا جاتا ہے احمد شاہ ثانی بہمنی کے حکم سے ۸۲۹ھ (۱۴۲۶ء) میں تعمیر ہوئی اس عمارت کے چاروں طرف بہت بڑا تالاب تھا جس میں گاویل گڑھ کے دیو تالاب سے نہر کے ذریعہ پانی پہنچایا جاتا تھا۔ عماد شاہی وزیر تقال خان کے محل میں، جو دبیر پورہ میں تھا اُسی نہر سے پانی پہنچتا تھا اور نوباغ میں اسی سے آبیاری کی جاتی تھی۔

فصیل شہر : نواب اسمٰعیل خان بہادر پنی کے حکم سے ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء)

سے ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۳ء) کے درمیان شہر اچل پور کی فصیل کی تعمیر ہوئی۔ فصیل کے دروازوں پر تعمیر کی تاریخیں کندہ ہیں۔

نامدار باغ : ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۳ء) میں نواب نامدار خان پنی نے یہ باغ تعمیر کروایا تھا جو کچہری کے قریب ہے۔

امام باڑے

محلہ اشرف پورہ میں دو امام باڑے ہیں۔ ایک بڑا امام باڑہ جسے نواب نامدار خاں پنی نے ۱۲۳۶ھ (۲۱-۱۸۲۰ء) میں تعمیر کروایا۔ دوسرا ضریح کا امام باڑہ جسے محمد فتح جنگ خان نے ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) میں تعمیر کروایا۔ محمد فتح جنگ خان کی قبر عباس پورہ میں ہے۔

کنویں

منڈل شاہ کا کنواں : عہدِ عالم گیری میں راجا جئے سنگھ نے، جس کے نام سے جئے سنگھ پورہ موسوم ہے، چھتری اور منڈل شاہ کا کنواں کھدوایا۔ یہ کنواں عیدگاہ کی مشرق میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کنویں کے پانی سے غسل کرنے سے جلدی امراض سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

مشیر الملک کا کنواں : مشیر الملک کا کنواں محلہ بیابانی میں واقع ہے۔ جسے کسی اکمل نامی امیر نے ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء میں کھدوایا تھا۔

سادھولال کا کنواں : نواب نامدار خان پنی نے ۱۲۴۰ھ (۲۵-۱۸۲۴ء) میں یہ کنواں اشرف پورہ میں کھدوایا۔ جسے اب سادھولال کا کنواں کہتے ہیں۔

ٹکسال (دار الضرب) : اچل پور میں دارُالضرب کی عمارت جامع مسجد کی جنوب میں محلّہ قلعہ میں تھی۔ آج بھی ٹکسال کا کنواں اس جگہ موجود ہے۔ مغل

شہنشاہ اکبر کے عہد سے لیکر نواب نامدار خان پنّی کے دور تک کے سکّے یہیں مضروب ہوتے تھے۔

انگریزوں کی قبریں : عیدگاہ کی مشرق میں میجر لین اور کپتان گرانڈ کی قبریں ہیں۔ جو برطانوی عہد کی یادگار ہیں۔

خان زماں نگر : شہر اچل پور کی مغرب میں ۶ کلومیٹر کے فاصلہ پر چندر بھاگا ندی کے کنارے خان زماں نگر کے نام سے ایک چھوٹا سا دیہات ہے جسے ناظمِ برار میر خلیل خانِ زماں نے اورنگ زیب عالم گیر کی اجازت سے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ خانِ زماں ۱۰۷۷ھ (۱۶۶۶ء) سے ۱۰۸۶ھ (۱۶۷۵ء) تک یعنی نو سال برار کا ناظم رہا۔ تاریخ امجدی میں لکھا ہے کہ خانِ زماں نے اس شہر کے گرد فصیل بنوائی، محل تعمیر کروائے باغ لگوائے اور مسجدیں بنوائیں۔ اس وقت اُس عہد کی دو مسجدیں شکستہ حالت میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ (صاحبِ مآثرالاُمراء اور ابوالکلام آزاد نے غبارِ خاطر میں مغنّیہ زین آبادی کا قصہ لکھا ہے۔ خانِ زماں کی اہلیہ اورنگ زیب کی خالہ تھی اور مغنّیہ زین آبادی خانِ زمان کی اہلیہ کی خواص تھی)۔

اچل پور کے سِکّے : ایک جائزہ

خواجہ ربانی

اچل پور شہر کے باشندے لفظ 'ضرب ِ ایلچ پور' ایک خاص مفہوم میں استعمال کرتے ہیں لیکن عہدِ وسطیٰ کی تاریخ پر نظر رکھنے والے یقیناً سمجھ جاتے ہیں کہ ذکر ٹُکّے کا نہیں سِکّے کا ہے۔

اچل پور فی الحال ضلع امراوتی ریاستِ مہاراشٹر میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ فصیل سے گھرا قدیم اچل پور اور قدرے نیا بسا ہوا پرت واڑا مل کر آج کل جڑواں شہر Twin City کی حیثیت سے آباد ہیں۔

اچل پور تاریخ کے قدیم دور میں اپنا ایک وجود تو ضرور رکھتا تھا لیکن اس شہر کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی خلجی اور تغلق سلاطین کے دور میں۔ بہمنی سلاطینِ دکن کے زمانے میں اسے 'عرصۂ ایلچ پور' یعنی علاقہ کے صدر مقام کا درجہ ملا اور پندرھویں صدی عیسوی میں برار کی عماد شاہی سلطنت کا تو یہ پایۂ تخت بن گیا۔ ست پڑہ پہاڑی سلسلے کے دامن میں اپنی قدرتی اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے اور شہر برہان پور کی طرح جو کہ اسیر کے مضبوط قلعہ سے مستحکم ہے' شہر اچل پور بھی گاویل گڑھ کے قلعہ سے ایک غیر معمولی استحکام کا حامل بن گیا۔ علاقۂ برار میں محل وقوع کی وجہ سے اچل پور کو سیاسی اور ثقافتی اہمیت بھی حاصل رہی۔

کچھ روایت کے مطابق عماد شاہی سلاطین نے سِکّے ڈھالنے کے لئے ایک

دَارُالضرب 'ٹکسال' شہر اچل پور میں قائم کیا تھا جو عماد شاہی حکومت کے زوال کے بعد معطل ہو گیا۔ لیکن چونکہ ابھی تک کسی بھی عماد شاہی سلطان کا ایسا کوئی سکہ دستیاب نہیں ہو سکا جس پر یہاں کے دَارُالضرب کا نام کندہ ہو' اس لئے اس روایت پر یقین کرنا مشکل ہے لیکن یہ بات حقیقت سے قرین ضرور لگتی ہے کیونکہ دارالحکومت میں شاہی خزانے کے عمارت کے ساتھ ساتھ دَارُالضرب کا وجود لازمی بات ہوتی ہے۔ مغل دورِ حکومت میں شہر اچل پور (جو اُس وقت ایلچ پور کہلاتا تھا) کے دَارُالضرب کا وجود مسلّم ہو گیا ہے۔ اچل پور کے دَارُالضرب کی عمارت جامع مسجد کی جنوبی سمت محلہ قلعہ میں ہوا کرتی تھی۔ جس کی باقیات کے طور پر ٹکسال کا کنواں آج بھی موجود ہے۔

مختلف عجائب گھروں میں موجود سکّوں کے ذخائر سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مغل شہنشاہ اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے زمانے میں چاندی کے سکے اچل پور میں مضروب ہوتے تھے۔ اس قسم کا ایک نقرئی سکہ اسٹیٹ میوزیم لکھنؤ میں موجود ہے جو اکبر کے پچاسویں سنہ جلوس (ماہ شہریور الٰہی ۵۰ ھ مطابق ۱۰۱۳ھ = ۱۶۰۵ء) میں جاری کیا گیا۔[1] اس سکے کی جانبین کی تحریر اس طرح ہے :

پشت	رخ
ماہ شہر یور الٰہی	اللہ اکبر
۵۰ ضرب ایلچپور	جل جلالہ

شہنشاہ نورالدین جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) نے بھی اکبر کی قائم کردہ روایت کو جاری رکھتے ہوئے اچل پور میں چاندی کے سکے مضروب کروا کر جاری کئے۔

اس قسم کا ایک نقرئی سکہ لاہور میوزیم پاکستان میں محفوظ ہے جو جہانگیر نے ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ء) میں جاری کیا تھا اس کی ایک جانب کلمہ ہے اور دوسری جانب شہنشاہ کے نام اور تاریخِ اجراء کے نیچے ضرب ایلچپور درج ہے۔[۲] جہانگیر کا اسی دارُالضرب کا ایک نقرئی سکہ اسٹیٹ میوزیم لکھنؤ میں موجود ہے جو جہانگیر نے اپنے نویں سنہ جلوس (ماہ دی الٰہی ۸ سنہ بمطابق ۱۰۲۲ھ = ۱۶۱۴ء) میں جاری کیا۔ اپنی ساخت 'طرز' لے آوٹ اور خطاطی کے اعتبار سے جہانگیر کے یہ دونوں سکے اکبر کے سکے سے مشابہت رکھتے ہیں ممکن ہے یہ سکے دارُالضرب کے ایک ہی Mint master (مُہر کن یا ٹکسالی) اور ایک ہی خطاط کے ترتیب دیے ہوئے ہوں۔ جہانگیر کے دوسرے سکے کی جانبین کی تحریر اس طرح ہے۔[۳]

اکبر شاہ نگیر شاہ ابن جہا ۸ نورالدین	ماہ دی الٰہی ایلچپور ضرب ۵۸

شہنشاہ شاہ جہاں (۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء) کا اچل پور میں مضروب چاندی کا ایک سکہ کراچی میں مقیم مسٹر ایوجن لیگ ایٹ کے پاس تھا۔ اس کا تذکرہ آر۔ بی۔ وہائٹ ہیڈ نے اپنی وضاحتی فہرست میں کیا ہے۔[۴] دیگر مآخذ میں شاہ جہاں کے کسی سکے کے ضرب ایلچپور میں مضروب ہونے کا ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی اس طرح کا کوئی سکہ کسی عجائب گھر کی وضاحتی فہرست میں درج پایا گیا۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر (۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء) نے چاندی اور تانبے دونوں دھاتوں کے سکے اچل پور میں ڈھلوا کر جاری کیے۔ یہ سکے کئی عجائب گھروں میر

محفوظ ہیں۔ اچل پور میں مضروب چاندی کا گول سکہ جو اورنگ زیب نے اپنے ۴۹ ویں سالِ جلوس بمطابق (۱۱۱۷ھ = ۱۷۰۶ء) میں جاری کیا تھا کلکتہ کے انڈین میوزیم میں محفوظ ہے اس سِکّے کے رُخ پر فارسی شعر ہے پُشت پر تاریخ اور ضرب کا نام' جو اس طرح ہے۔[5]

عالم گیر ۱۱۱۷	مانـــــوس
شاہ اورنگ زیب	میمنتـــــــ
چو بدرِ منیر	سنہ ۴۹ جلوس
سکہ زد در جہان	ضرب ایلچپور

(شعر: سکہ زد در جہاں چو بدرِ منیر   شاہ اورنگ زیب عالم گیر۔ عموماً سکوں کی تحریر نیچے سے اوپر کی جانب لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔)

اورنگ زیب کے تانبے کے سکے جو فلوس کے نام سے موسوم اور شکل کے اعتبار سے مستطیل نما ہیں عجائب گھروں کے علاوہ ذاتی ذخائر میں بھی موجود ہیں۔ اِن سِکّوں کی تحریر چاندی کے سِکّوں کی تحریر سے مختلف ہے۔ طرزِ تحریر' نفیس اور خوبصورت نستعلیق کی جگہ جلی نسخ ہے۔ تانبے کے سِکّوں پر تاریخ بھی درج نہیں۔ اس طرح کے پانچ سکے سینٹرل میوزیم' ناگپور میں محفوظ ہیں۔ جانبین کی تحریر اس طرح ہے۔[6]

بادشاہ عالم گیر	ایلچپور
سکہ مبارک	فلوس ضرب

اورنگ زیب کے بعد بہادر شاہ عالم یعنی شاہ عالم اوّل (۱۷۰۷ء تا ۱۷۱۲ء) نے بھی اچل پور کے دَارُالضرب سے ڈھلوا کر چاندی کا ایک سِکّہ اپنے پانچویں سن

جلوس بمطابق ۱۱۲۲ھ میں جاری کیا۔ لاہور میوزیم' پاکستان میں محفوظ اس سکے کی جانبین کی تحریر اس طرح ہے:

غازی	مانوس
۱۱۲۲ بادشاہ	میمنت
شاہ عالم بہادر	سنہ ٥ جلوس
سکہ مبارک	ضرب ایلچ پور

شاہ عالم اوّل نے اچل پور میں مضروب تانبے کے فلوس بھی جاری کیے جو اسٹیٹ میوزیم لکھنؤ میں محفوظ ہیں۔[۷]

جہاں دار شاہ (۱۷۱۲ء) صرف چند مہینوں کے لئے تخت نشین رہا۔ اس کے عہد کا واحد کتبہ پنچ گوان (برار) میں دریافت ہوا ہے اور اس کے قلیل دور حکومت میں اچل پور میں ڈھالے گئے سکے بھی خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر ٹیلر کے ذخیرے میں موجود اس سکے کا ذکر اشیاٹک سوسائٹی کے جریدے (۱۹۰۷ء) میں موجود ہے۔

اسی طرح فرخ سیر شاہ (۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۹ء) کے سکوں کا ذکر بھی ملتا ہے جو اچل پور کی ٹکسال میں ڈھالے گئے۔ فرخ سیر نے چاندی کے سکے اپنے عہدِ حکومت کے پہلے سال میں جاری کیے۔ اس طرح کا ایک سکہ انڈین میوزیم' کلکتہ میں موجود ہے جسکے رُخ پر فارسی شعر اور پُشت پر ضرب کا نام اور تاریخ درج ہے۔ جانبین کی تحریر اس طرح ہے۔[۸]

از فضل حق	مانوس
شـــــاہ	میمنت
باد بحر و بر فرخ سیر ۱۱۲۵	سنہ احد جلوس
ســــــکہ	ضـــــــرب
زد بر سیم و زر	ایلچ پور

(شعر: سکہ زد از فضلِ حق بر سیم وزر بادشاہِ بحر و بر فرخ سیر)

محمد شاہ بادشاہ غازی (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) نے متاخرّین مغل بادشاہوں میں کافی طویل دورِ حکومت پایا اور حکومت بھی قدرے مستحکم رہی۔ چنانچہ اس بادشاہ کے سکّے کئی شہروں میں مضروب ہوئے۔ محمد شاہ نے اپنے چہارم سنِ جلوس بمطابق ۱۱۳۴ھ اچل پور میں مضروب چاندی کا سکہ جاری کیا۔ اس کے رُخ پر ہجری سن کی اکائی اور دہائی کے ہندسے معدوم ہیں۔ یہ سکّہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جریدے میں شائع بھی ہوا۔ اس کی جانبین کی تحریر اس طرح ہے۔[9]

۱۱۲۲ محمدشاہ	میمنت مانوس
بادشاہ غازی	سنہ ۴ جلوس
سکہ مبارک	ضرب ایلچ پور

محمد شاہ نے تانبے کے فلوس بھی جاری کیے جو شکل کے اعتبار سے گول ہیں۔ یہ سکّے عام طور سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اس طرح کا ایک سکہ لکھنؤ میوزیم میں محفوظ ہے جو اچل پور کے دارالضرب میں ۱۱۳۶ھ = ۱۷۲۳ء میں ڈھالا گیا۔[10]

احمد شاہ (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء) کے تانبے کے سکّے بھی کئی عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ اچل پور میں مضروب یہ فلوس ذاتی ذخیروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لکھنؤ اور ناگپور میوزیم کی وضاحتی فہرستوں میں ان کا ذکر ہے یہ سکّے بادشاہ کے نام کے فرق کے علاوہ ہر اعتبار سے محمد شاہ کے سکّوں سے مشابہ ہیں۔

عالم گیر شاہ ثانی (۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء) کے تانبے کے سکّے بھی کئی جگہوں پر پائے جاتے ہیں۔ ان فلوس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اورنگ زیب عالم گیر کے فلوس سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اگر احتیاط نہ برتی گئی تو مغالطے کی بہت گنجائش ہے۔

یہ فلوس ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۹ء) میں جاری کیے گئے۔ اس قسم کے دو سکے موضع پیپل گاؤں، تحصیل پلگاؤں، ضلع وردھا (مہاراشٹر) میں حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں۔

شاہ عالم بہادر ثانی (۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء) کے تانبے کے سکے بہت بڑی تعداد میں مختلف عجائب گھروں اور ذاتی ذخیروں میں پائے جاتے ہیں۔ شاہ عالم ثانی کے یہ فلوس مختلف طرز تحریر کے ساتھ ساتھ گول اور چوکور نما شکلوں میں بھی دستیاب ہوئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان فلوس کے کئی Issues مختلف سالوں میں جاری کیے گئے۔ تاریخی حوالوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب علاقۂ برار میں ناگپور کے بھونسلہ راجاؤں کا عمل بڑھ گیا تو انھوں نے شاہ عالم ثانی کی اجازت سے کچھ سکے بادشاہ کے نام سے جاری کیے۔ یہ سکے اچل پور کی ٹکسال میں ہی مضروب ہوئے مگر ان سکوں پر تاریخ نہیں دی گئی۔ اس طرح کے ۱۴۷ تانبے کے سکے حال میں موضع پیپل گاؤں میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان سکوں کے رُخ پر 'سکۂ مبارک شاہ عالم' اور پشت پر 'فلوسِ ضربِ ایلچ پور' درج ہے۔

اچل پور کی تاریخِ سکہ سازی میں ایک اہم موڑ اس وقت آیا جب نوابانِ اچل پور نے خود اپنے سکے جاری کیے۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ متاخرین مغل حکمران جب کمزور ہوگئے اور علاقۂ برار و دکن میں نظام الملک آصف جاہ اوّل نے شکر کھیڑلہ (فتح کھیڑلہ) کی لڑائی کے بعد ۱۷۲۴ء میں خود مختاری کا اعلان کردیا تو اس بات کی بھی آزادی نظام الملک کو مل گئی کہ وہ اپنے سکے جاری کریں۔ اس رواج میں نوبت یہاں تک آگئی کہ صرافوں اور سیٹھوں کو سکہ سازی کا ٹھیکہ دیا جانے لگا۔ اس بیچ مرہٹہ سرداروں نے بھی متاخرِین مغل حکمرانوں کے نام سے سکے جاری کیے۔ مغل بادشاہوں کے نام

سے جاری کردہ یہ سکّے اچل پور کی ٹکسال میں بھی مضروب ہوئے اور علاقۂ برار (بشمول بیتول) میں مروّج تھے اور انھیں اچل پور کے مراٹھی ورژن اڑساپور کی مناسبت سے اڑساپوری (अळसापूरी) سکّے کہا جاتا تھا۔[11]

جب اچل پور میں نواب اسماعیل خان پنّی کا تقرر بہ حیثیت صوبیدارِ برار ہو گیا تو انھوں نے ایک طرف تو دہلی کے بادشاہوں اور دوسری طرف حیدرآباد کے نظام سے قدرے خود مختاری حاصل کرلی۔ ان کے بیٹے نواب صلابت خاں نے مزید استحکام اور آزادی کے ساتھ حکومت کی اور پھر اسماعیل خاں پنّی کے پوتے نواب نامدار خاں پنّی نے تو اپنا خود کا سکّہ بھی جاری کر دیا۔

اچل پور کے خود مختار حکمران نواب نامدار خاں پنّی کے جاری کردہ تانبے کے سکے مرکزی ہندوستان کی تاریخِ مسکوکات میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ اچل پور کے دارُالضرب میں ڈھالے گئے اس سکّے کے کئی مختلف Issues ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان میں ایک قسم تو گول نفیس طرز کے سِکّوں کی ہے اور دوسری چوکور اور ذرا بے ڈھب سکوں کی۔ اِن سِکّوں کے رُخ پر شیر کی شبیہ ہے جو بائیں طرف کو جارہا ہے۔ سِکّوں کی پُشت پر 'ضربِ ایلچ پور' اور تاریخ درج ہے۔ گول سِکّوں پر تحریر کا خط اور شیر کی شبیہہ نفیس طرز کی ہے، جس میں شیر کے جسم کی دھاریاں تک نمایاں ہیں۔ لیکن دوسری طرح کے (چوکور) سکوں پر شیر کی شبیہہ ذرا Crude ہے۔ چوکور سکوں کے ایک Issue میں تو شیر دائیں جانب کو رخ کئے ہوئے ہے۔ اِن سِکّوں میں پشت پر ضرب کے نام کے نیچے جو تاریخ درج ہے وہ ۱۲۵۰ ھ (۱۸۳۴ء) ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) اور ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) ہے۔ چوکور سِکّوں میں بیشتر پر تاریخ درج نہیں ہے (اس قسم کے بہت سے سکے جو میرے ذاتی ذخیرے میں ہیں اچل پور میں منعقدہ

سیمنار ۱۹۹۷ء میں برائے نمائش رکھے گئے تھے)۔

مرکزی ہندوستان کے برٹش ریکارڈز میں اِن سِکّوں کے چلن کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے جس کے مطابق سکوں پر بنی ہوئی شیر کی شبیہ کی وجہ سے یہ سکے اس وقت واگھنبری کہلاتے تھے کیونکہ مراٹھی زبان میں ٹائگر شیر کو واگھ کہا جاتا ہے۔

یہ سِکّے اپنی نوعیت کے اعتبار سے انوکھے ہیں اور ابھی تک کسی کتاب یا وضاحتی فہرست میں ان پر کچھ لکھا بھی نہیں گیا سوائے ایک مختصر نوٹ کے، جو پروفیسر صدیقی نے نیومسمیٹک ڈائجسٹ میں لکھا تھا۔[۱۲]

نولابِ اچل پور کے نزدیک شیر کی شبیہ کی خاص اہمیت تھی۔ سکوں کے علاوہ ان کے خاندانی قبرستان کے دروازے کی جانبین پر بھی شیر کی شبیہیں پتھر میں تراشی ہوئی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق نولابِ اچل پور کے پرچم پر بھی شیر کی تصویر ہوا کرتی تھی۔

آخر میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ضربِ ایلچ پور میں ڈھالے گئے سکے جہاں جہاں دستیاب ہوں انہیں محفوظ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ نسل یہ جان سکے کہ برار اور مرکزی ہندوستان میں اچل پور کا 'سکہ' چلتا تھا۔

(نوٹ : مقالے کے آخر میں قارئین کی دلچسپی کے لیے مذکورہ سکوں کی تصاویر دی گئی ہیں)

مراجع ومصادر

۱۔ سی۔آر۔ سنگھل۔کیٹیلاگ آف مغل کوائنز ان اسٹیٹ میوزیم لکھنؤ (لکھنؤ۔۱۹۶۵) ص ۱۶' نمبر ۷۴' پلیٹ ۱۱

۲۔ سی۔جے۔راجرس۔کوائنز آف دی موگل ایمپررس آف انڈیا(دہلی۔۱۹۷۲)
ص۱۳۰ نمبر۶۱
۳۔ سی۔آر۔ سنگھل۔ایضاً ص۵۲ نمبر۳۰۷' پلیٹ VI
۴۔ آر۔بی۔وہائٹ ہیڈ۔کیٹیلاگ آف کوائنز ان دی پنجاب میوزیم لاہور
(آکسفورڈ۔۱۹۱۴)ص۵۲
۵۔ ایچ۔نیلسن رائٹ۔کیٹیلاگ آف کوائنز ان دی انڈین میوزیم کیلکٹہ
(کلکتہ۔۱۹۰۷)جلد سوم ص۱۵۲ نمبر۱۲۹۷' پلیٹ XII
۶۔ وی۔پی۔روڈے۔کیٹیلاگ آف کوائنز ان سنٹرل میوزیم ناگپور جلد اوّل
(ممبئی۔۱۹۶۹)ص۳۵۶ نمبر۲۲۸۱' پلیٹ XXIV
۷۔ آر۔بی۔وہائٹ ہیڈ۔ ایضاً ص۷۷ ۲ نمبر۲۰۲۴؛ سی۔آر۔ سنگھل۔ ایضاً ۱۲۷ نمبر۸۷۰
۸۔ ایچ۔نیلسن رائٹ۔ایضاً ص۲۰۶ نمبر۱۷۵۸
۹۔ جرنل آف دی اشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۰۷ء نیومس میٹک
سپلیمنٹ VIII ص۵۹۲ پلیٹ VI
۱۰۔ سی۔آر۔ سنگھل۔ایضاً ص۱۵۳ نمبر۱۰۵۷' پلیٹ XV
۱۱۔ پی۔پی۔ کلکرنی۔کوائنیج آف دی بھونسلہ راجاز آف ناگپور(ناگپور۔۱۹۹۰)ص۶۲
۱۲۔ اے۔ایچ۔صدیقی۔نیومس میٹک ڈائجسٹ' جلد اول حصہ دوم۔ ص۴۹۔۵۰۔

☆☆☆

COINS OF ELLICHPUR MINT
Mughul Coins
رُخ
پُشت
SILVER
رُخ
پُشت
جہانگیر
اکبر
COPPER
محمد شاہ
اورنگزیب
احمد شاہ
محمد شاہ
عالمگیر ثانی
شاہ عالم ثانی
شاہ عالم ثانی
SCALE:
Coins of Nawwab of Ellichpur
نواب نامدار خان پنی
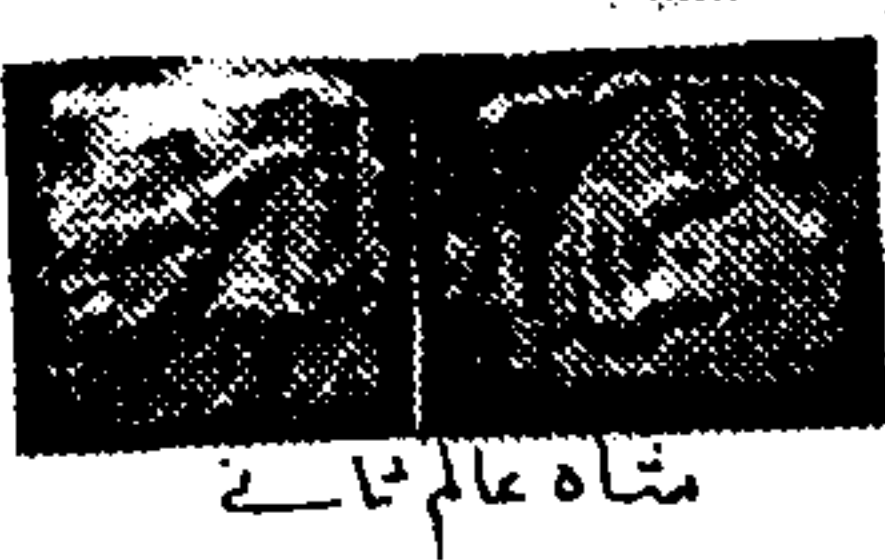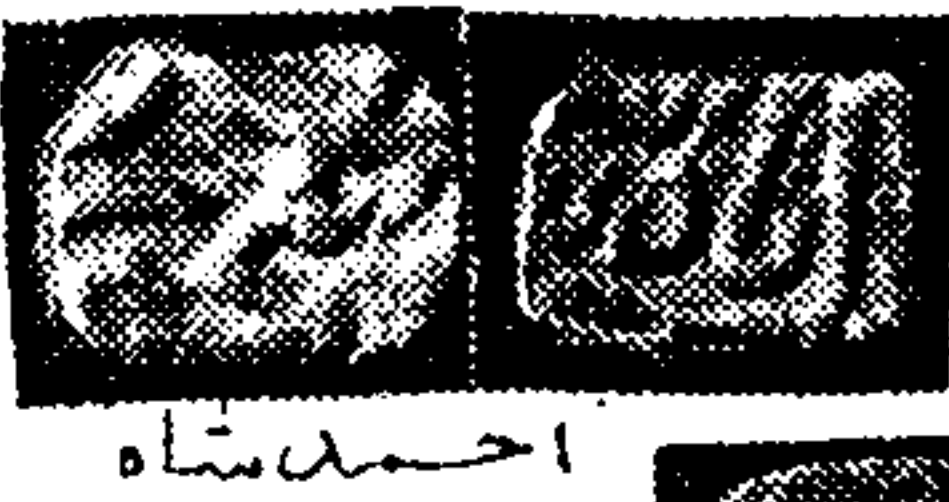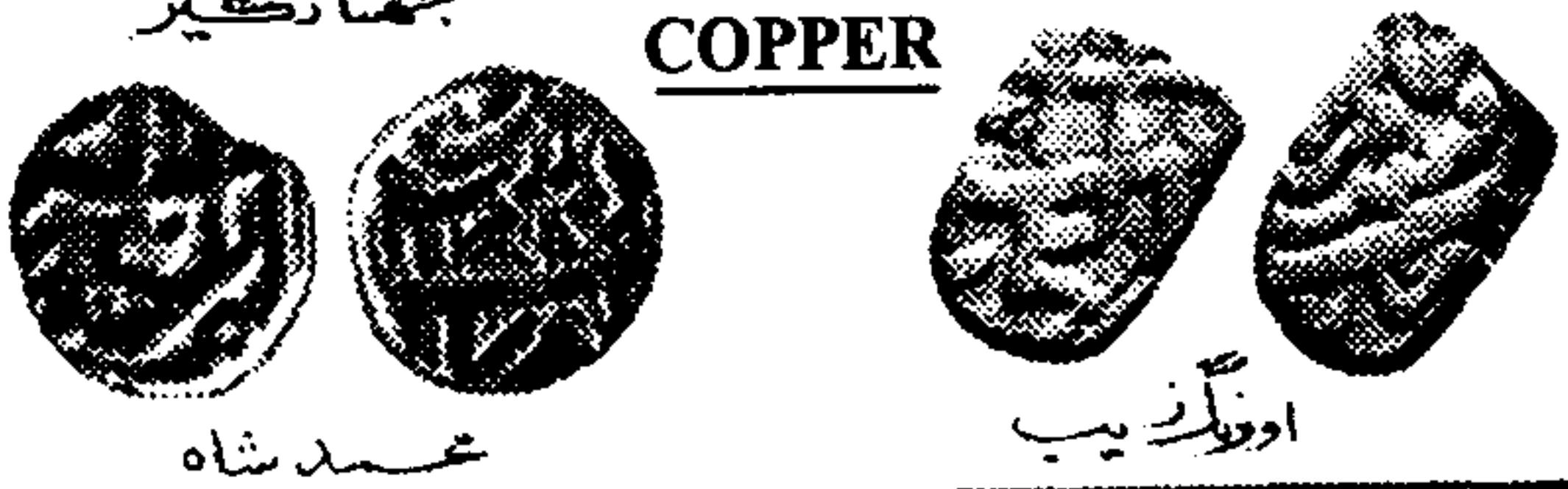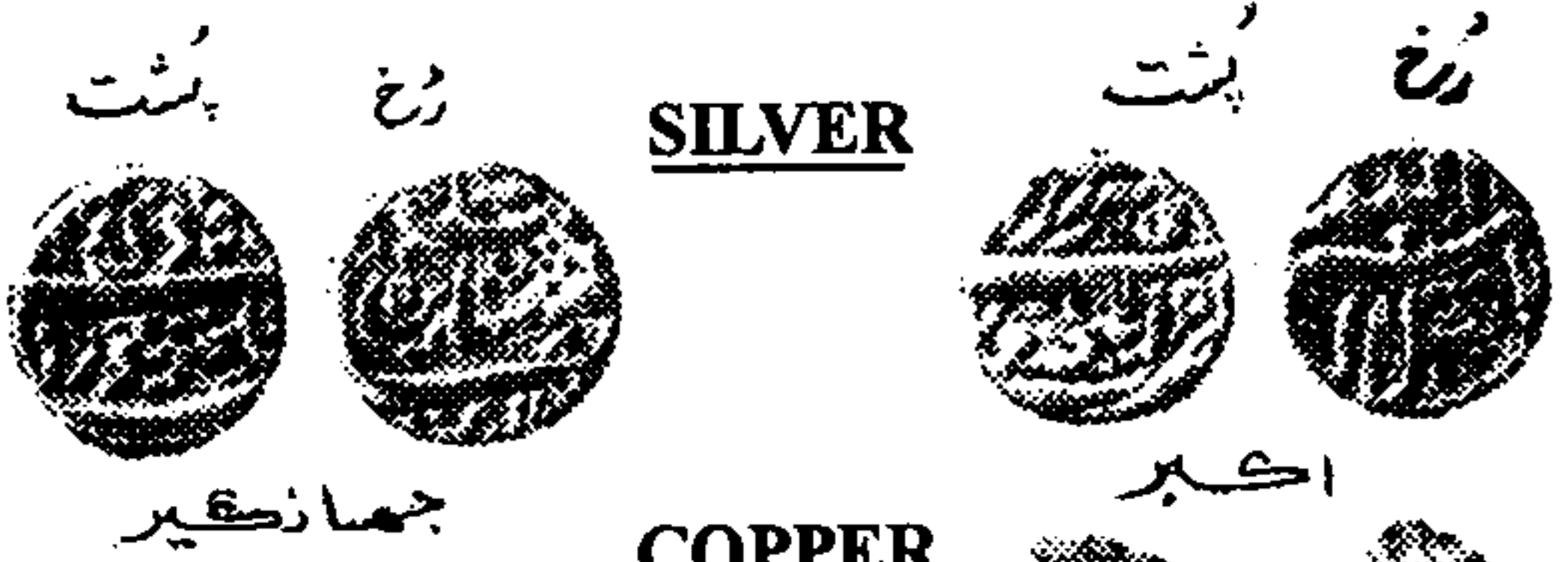
اچل پور کا قدیم مدرسہ

ڈاکٹر سید عبدالرحیم

بہمنی سلطنت کے بانی حسن گنگو کی ایماء پر صفدر خان سیستانی، ناظمِ صوبہ برار نے ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء میں شہر اچل پور کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ جامع مسجد کے عقب میں بارگاہِ کل المعروف بابھڑ کل کی پختہ اور سنگین عمارت طلباء کی دارالاقامہ تھی جسے محمد تغلق کے داماد ملک سر تیز ترکمان نے تعمیر کیا تھا۔ بھڑ کل میں ملک سر تیز دربار عام منعقد کیا کرتا تھا۔ اس عمارت کی سولہ سنگین کمانیں تھیں لیکن اس وقت صرف چند آثار باقی رہ گئے ہیں۔ البتہ جامع مسجد کی وسیع و عریض سنگین عمارت آج بھی اچھی حالت میں ہے۔ اسے بھی ملک سر تیز ترکمان نے تعمیر کروایا تھا اس کی گیارہ رواقیں اور خوبصورت محراب و منبر فنِ تعمیر کا اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مسجد کے داخلی دروازے پر عالمگیری عہد (۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ء) کا فارسی کتبہ نصب ہے جنوب میں خطیبِ مسجد کے مکانات ہیں جن کے دروازے صحن مسجد میں نکلتے ہیں۔ مسجد کے ایک گوشے میں چند الماریاں ہیں جن میں مخطوطات و مطبوعہ کتابیں محفوظ ہیں ان مخطوطات میں وہ قلمی کتابیں بھی شامل ہیں جو کسی وقت جامع مسجد کے قدیم مدرسے کے طلباء و اساتذہ کے زیرِ تعلیم و تدریس رہی تھیں۔

مدرسے کے قیام کے ابتدائی دور میں مولانا محمد ابراہیم سندھیؒ اور مولانا محمد یحییٰ سندھیؒ اس مدرسہ میں مُدرِّس کی حیثیت سے مقرر کیے گئے تھے۔ اس مدرسے

کے اخراجات کے لیے بہمنی حکومت کی جانب سے سالانہ تیس ہزار ہون محاصل کی جاگیر وقف تھی۔ سو طلبہ دارالاقامہ میں رہ کر اور سو سے زائد طلبہ شہر اور اطرافِ شہر کے اس مدرسے میں تعلیم پاتے تھے۔ صفدر خان سیستانی کا ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء میں قائم کردہ یہ مدرسہ عماد شاہی سلطنت کے آخری حکمران برہان عماد شاہ (۱۵۶۲ء تا ۱۵۷۴ء) کے وزیر تفال خان کے عہد ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء تک جاری رہا۔[1]

دورانِ وزارت، تفال خان ملکِ برار کے نظم و نسق کا مالک تھا اس نے مدرسے کی ترقی کے لئے بہت کوششیں کیں اور بڑے اصرار و نیاز مندی سے سندھ کے محدثین و علماء کو برار آنے کی دعوت دی۔[2] اس کی درخواست پر علماء کی ایک جماعت سندھ (موضع پات) سے احمد آباد کے راستے اچل پور پہنچی اور اس مدرسے میں ۳۲ سال علمی و تدریسی خدمات انجام دیتی رہی۔[3] ان علماء میں مولانا محمد طاہر سندھیؒ (۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء) محمد قاسم سندھیؒ برادر خورد محمد طاہر سندھیؒ (۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء) محمد طیب سندھیؒ (۹۹۵ھ/۱۵۸۷ء) محمد مبارک سندھیؒ (۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء) اور محمد اسحاق سندھیؒ (۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء) قابلِ ذکر ہیں۔ اِن سندھی علماء کی علمی و دینی تصنیفات کی طویل فہرست ہے۔ گمانِ غالب ہے کہ اِن میں اکثر کتب اچل پور کے دورانِ قیام تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے ضبطِ تحریر میں آئی ہیں۔ خصوصاً محمد طاہر سندھیؒ کی عربی تفسیر مجمع البحار کو شیخ نے بزمانۂ قیامِ برار (اچل پور) لکھنا شروع کیا تھا اور اس کے خطبے میں اپنے میزبان تفال خان کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس تفسیر کا اختتام برہان پور پہنچنے کے بعد ہوا۔ راجے علی خان عادل شاہ فاروقی نے اس کتاب میں اپنے لئے دعا تحریر کرنے کی درخواست کی۔ محمد طاہر سندھیؒ نے ایک

اور خطبہ لکھ کر بادشاہ کی اس خواہش کو پورا کیا۔[۴]

اچل پور کا یہ قدیم مدرسہ تقال خان کی وفات (۹۸۲ھ/۷۴-۱۵۷۵ء) تک یعنی ۲۳۲ سال تک جاری رہا۔ جب تقال خان، مرتضیٰ نظام شاہ بحری (۹۷۳ھ تا ۹۹۵ھ/۱۵۶۵ء تا ۱۵۸۶ء) کے مقابلے میں قید ہو کے (۹۸۲ھ/۷۴-۱۵۷۵ء) میں فوت ہوا تو اس مدرسے کے مدرسین نے جن میں محمد طاہر سندھیؒ بھی پیش پیش تھے مع متعلقین برہان پور کا رُخ کیا۔ جب عادل شاہ فاروقی (۹۸۴ھ/۷۶-۱۵۷۵ء) میں خاندیس کے تخت پر بیٹھا تو اس نے سندھی علماء و محدثین کی بڑی پذیرائی کی۔

جامع مسجد اچل پور کے قدیم مدرسے کے مخطوطات میں مولانا طیب سندھیؒ کی شرح مشکوٰۃ موجود ہے۔ اسی طرح سے شیخ قاسم سندھیؒ کے فرزند مسیح الاولیاء حضرت عیسیٰ جنداللہؒ کی عین المعانی کی شرح بھی محفوظ ہے کیونکہ سندھی علماء کا سفر گجرات سے ہوا تھا اسلئے ان کے ہمراہ گجرات کے علمی مراکز، احمد آباد، سرخیز، بھروچ اور دولقہ میں لکھی گئیں کتابیں بھی ساتھ آئیں جو جامع مسجد کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ حصن حصین (مؤلفہ شمس الدین محمد الجزری) کا ابو بکر بن محمد بھروچی نے سلطان محمود شاہ گجراتی کے لئے ترجمہ کیا تھا اس کا ایک نسخہ بھی اچل پور کے اس کتب خانے میں محفوظ ہے۔[۵]

(نوٹ: اس مدرسہ کے سندھی علماء کے حالاتِ زندگی 'اچل پور میں سندھی اولیاء' عنوان کے تحت بالتفصیل بیان کیے گئے ہیں۔)

مراجع و مصادر

۱۔ عبدالجبار ملکاپوری 'محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن (حیدرآباد۔ ۱۹۱۰ء) ص ۹۳

۲۔ سید محمد مطیع اللہ راشد۔ 'برہان پور کے سندھی اولیاء' (حیدرآباد، سندھ ۱۹۵۷ء) ص: ۳۲

۳۔ ایضاً ص: ٦

۴۔ ایضاً ص ۴۱۲۔ محمد غوثی شطاری ماتڈوی اذکار ابرار (اردو ترجمہ) ص: ۲۷۔ ۴۲۲

۵۔ سید عبدالرحیم۔ کلمات (ناگپور' ۱۹۹۵) ص ۳۳

☆☆☆

ثقافت

مدحِ شہرِ اچل پور

(دیوانِ شاہ غلام حسین چشتیؒ سے ماخوذ)

حضرت شاہ غلام حسین چشتیؒ اچل پوری نے اپنے وطن شہر اچل پور کی تعریف میں بے شمار اشعار تحریر فرمائے ہیں اور اس شہر کی خوشحالی اور خیر و برکت کے لیے دعا کی ہے۔ آپ کے دیوان سے ایک مخمّس اس جگہ پیش ہے۔

شاہ رحماں ، امانِ ایلچ پور امن و ایماں و جانِ ایلچ پور
نام ایشاں ، نشانِ ایلچ پور ذاتِ ذی شاں ہے شانِ ایلچ پور
فیض پایا مکانِ ایلچ پور

غزنوی کے فلک سوں ابرِ سخا فیض کی چو طرف کیا ہے گھٹا
ابرِ نیساں ہو ملک پر برسا پُر کیا ہے برار کا دریا
ہو رہا دُر فشانِ ایلچ پور

شہ کا روضہ ہے مثلِ خلد بریں گنبد با طہور و با تمکیں
اشرف الملک فخرِ روئے زمیں جیوں انگوٹھی اوپر جڑا ہے نگیں
ہے سچا لعلِ کانِ ایلچ پور

فضل مولیٰ ہمیشہ دِستا ہے اِس نگر میں اناج سَستا ہے
خلق بستی میں شاد بستا ہے ابرِ رحمت سدا برَستا ہے
سبز ہے بوستانِ ایلچ پور

اس نگر پر کدھی نہ آوے زوال گھر میں اپنے ہر یک رہے خوشحال
خیر ہووے ہمیشہ ہر مہ و سال حق سوں ہر شب ہے غافلوں کا سوال
ہے تو ہی پاسبانِ ایلچ پور

طائر اس ملک میں رہے پرّاں　　سایہ ڈالیں نہ کس پو دیو پریاں
سیر ہوویں خوراک پا حیواں　　کھاویں نعمت لطیف سب انساں
خالی ہووے نہ خوانِ اِلچ پور

بہہ چلیں آبِ رحمِ حق کے جھرے　　ہوویں اس بن کے کشت زار ہرے
نت رہیں پھول و پھل سوں جھاڑ بھرے　　میوہ اِس باغ کا کدھی نہ سڑے

خوش رہے باغبانِ اِلچ پور

حادثہ خواب میں کدھی نہ دِسا　　رُوبرو چشم کے نگر میں بسا
طائرِ جاں بدامِ درد پھنسا　　عالمِ دل خوشی سوں ٹک نہ ہنسا
دیکھ پر غم جہانِ اِلچ پور

یا الٰہی پناہ تیری بس　　ہر دو عالم کوں چاہ تیری بس
فضل کی یک نگاہ تیری بس　　مجھ مسافر کوں راہ تیری بس
میں ہوں از سالکانِ اِلچ پور

یا الٰہی مجھے شکر گفتار　　مثلِ طوطی کے کر زبان ہزار
عاشقِ حق رہوں جوں بلبلِ زار　　طائر دل کوں نئیں ہے شوقِ بہار
بس ہے یو آشیانِ اِلچ پور

یا الٰہی بحق بنامِ حسینؓ　　مجھ کوں سیراب کر بجامِ حسینؓ
دل میں خواہش ہے یاامامِ حسینؓ　　بندگی میں رہے غلامِ حسینؓ
بندہ از ساکنانِ اِلچ پور

☆☆☆

اچل پور میں سندھی اولیاء

ڈاکٹر سید عبدالرحیم

قرونِ وُسطی میں بلدۂ پُرنور شہر اچل پور نے علم و عرفان کی ضیاء پاشی سے ایک عالم کو تابندگی بخشی۔ بہمنی دور میں اِس حکومت کے بانی حسن گنگو کی ایماء پر صفدر خان سیتانی ناظمِ برار نے ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء میں اس شہر کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ۲۳۰ برس سے زیادہ عرصے تک اس مدرسے کا علمی فیض جارَی رہا۔ مولانا محمد ابراہیم سندھیؒ اس مدرسے کے سب سے پہلے صدر مدرس اور مولانا محمد یحیٰ سندھیؒ ان کے معاون تھے۔[۱] عماد شاہی دور میں وزیرِ سلطنت تفال خان نے اس مدرسے کو مزید رونق بخشی۔ اُس کی درخواست پر محدثین اور علماء کی ایک جماعت سندھ (موضع پات) سے احمد آباد کے راستے اچل پور پہنچی اور اس مدرسے میں ۳۲ سال علمی و تدریسی خدمات انجام دیتی رہی۔ ان میں محدث محمد طاہر سندھیؒ (م۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء) محمد قاسم سندھیؒ برادر خورد محمد طاہر سندھیؒ (۹۸۱ھ/۱۵۷۲ء) محدث محمد طیب سندھیؒ (م۹۹۵ھ / ۱۵۸۷ء) محمد مبارک سندھیؒ (م۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء) اور مولانا اسحاق سندھیؒ (م۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء) قابلِ ذکر ہیں۔ جن سندھی علماء کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں انھیں اس جگہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ طاہر سندھیؒ :

آپ کا وطن سندھ میں قصبہ پات (پاتری) ہے جو تعلقہ سیون میں واقع ہے۔ یہ قصبہ آپ ہی کے بزرگوں کا آباد کیا ہوا ہے۔آپ کی علومِ دینیہ کے بارے میں صاحبِ گلزارِ ابرار لکھتے ہیں :

"جب آپ کا آغازِ ہوش ہوا تو آپ کو اور آپکے بڑے بھائی شیخ طیبؒ کو باپ (شیخ یوسف سندھیؒ) کے ہمراہ سفر کا اتفاق پیش آیا۔ تینوں اشخاص دانائے حقیقت آگاہ' شناسائے فضیلت دستگاہ شیخ شہاب الدین سندھیؒ کی ملازمت میں ایک گاؤں کے اندر پہنچے جو شیخ سندھیؒ کے نامزد تھا۔ آپ نے شرحِ شمسیہ پڑھنے کی التماس کی چونکہ شیخ شہاب الدین نے منطق کا درس اپنے مناسب حال نہیں سمجھا اس واسطے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کی منہاج العابدین پڑھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ کم و بیش دو ہفتے کے اندر کتاب مذکور ان تینوں شخصوں نے لکھ کر سبق شروع کر دیا۔"[۲]

آپ نے چچا زاد بھائیوں حضرت شیخ معروفؒ اور شیخ عثمانؒ سے سیت پور متصل بھکر میں مرصاد العباد کا درس لیا۔[۳]

مسیح الاولیاءؒ کے ذکر میں فرحی کشف الحقائق میں انکے والد شیخ قاسم سندھیؒ اور چچا شیخ طاہر سندھیؒ کے ترکِ وطن کے بارے میں لکھتے ہیں :

"دران ایام از آمدنِ ہمایوں بادشاہ در ملک سندھ تفرقہ و حادثہ افتادہ بود۔ پدر و مادر و عم حضرت مسیح منقبت و بعضے از خویشاں از قصبۂ پات انتقال نمودند۔"[۴]

کشف الحقائق اور برہانپور کے سندھی اولیاء میں لکھا ہے کہ

وطن سے ہجرت کر کے آپ گجرات پہنچے اور احمد آباد میں فروکش ہوئے۔ اس شہر میں حضرت غوث الاولیاء محمد غوثؒ گوالیری موجود تھے۔ اپنے بھائی شیخ قاسمؒ کے ہمراہ غوث الاولیاء سے ملاقات کی۔ غوث الاولیاء نے صوفیانہ انداز میں آپ کو دیکھ کر کہا:

"ان کا شیشہ تو نہایت مصفا ہے کیا ہی اچھا ہو اگر اس میں شراب گلرنگ بھر دی جائے۔"

اس بات کو سُن کر محدث طاہر سندھیؒ کی طبیعت کسی قدر مکدّر ہو گئی اور وہ چلے آئے۔ دوسرے روز مع متعلقین برار کا رُخ کیا۔ بارش کا موسم تھا لیکن آپ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ راستے میں ایک پہاڑی نالہ سدِ راہ ثابت ہوا۔ اس کی طُغیانی نے آپ کو کئی دن وہیں روکے رکھا۔ یہاں تک کہ چھ دن گزر گئے۔ مجبوراً احمد آباد لوٹ آنا پڑا۔ اس عرصے میں محدث صاحب کو خیال آیا کہ خمر کے لفظ میں غوث الاولیاء کی زبان پر آیا تھا کیا بُرائی ہے اسے مجازی معنوں میں استعمال کیا ہو۔ چنانچہ آپ نے دوبارہ غوث الاولیاءؒ سے ملاقات کا قصد کیا۔ غوث الاولیاءؒ بڑی گرم جوشی سے ملے۔ اور فرمایا:

"آپ تو بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر ہم نے جانے نہ دیا۔"

محدث صاحب نے اُس طُغیانی کو (غوث الاولیاءؒ) شیخ صاحب کا روحانی تصرّف خیال کیا اور مُرید ہو گئے۔ غوث الالیاءؒ نے محدث صاحب کو چودہ خانوادہ کی خلافت عطا فرمائی۔ ۵

گلزارِ ابرار میں یہ واقعہ اس طرح ہے:

"سنہ ۹۵۰ھ میں آپ کو یہاں (قصبہ پات) سے خیالِ سفر ہوا چنانچہ آپ گجرات کی طرف تشریف لے گئے۔ شہر بھروچ میں پہنچ کر غوث الاعظم شیخ محمد غوث قدس سرہٗ کی بابرکات صحبت سے بہت کچھ حصہ لیا پھر اس صوبے سے ملکِ دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر شیخ

وقت، پیرِ عہد میاں مخدوم جی پسر شیخ محمد ملتانی کے حلقۂ ارادت میں
داخل ہوئے۔ شیخ محمد ملتانیؒ، شیخ بہاالدین قادریؒ کے بزرگ خلیفہ
ہیں۔ بعدۂ ایرج پور (ایلچ پور) برار میں قیام فرمایا۔ اور خرقۂ خلافت آپ
کو پیر سے اسی شہر میں عنایت ہوا۔"٦

بارش کم ہوئی تو آپ مع عزیز و اقرباء برار کے لئے روانہ ہوئے۔ اُن دنوں برار کا نظم و نسق تفال خانؒ کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے اِن بزرگوں کی بڑی پذیرائی کی۔ اس عزّت افزائی اور عقیدت مندی کو دیکھ کر محدث صاحب اچل پور میں مقیم ہو گئے۔ اور درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے نیز تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے ۲۳ سال برار میں طالبانِ علم کو علم و عرفان سے مستفیض کیا۔ جب عماد شاہی حکومت کی بساط اُلٹ گئی اور برار پر حاکم اِحمد نگر مرتضٰی نظام شاہ کا قبضہ ہو گیا تو ۹۸۳ھ میں آپ مع متعلقین برہان پور تشریف لے گئے۔ والیٔ خاندیس محمد شاہ فاروقی نے آپ کے خاندان و متعلقین کو رہنے کے لئے شاہی محلّات پیش کئے۔ محدث صاحب نے یہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا سید جمالؒ، شیخ یوسف بنگالیؒ، حضرت عبداللہؒ اور حضرت عبدالرحمٰنؒ جیسے جیّد عالم آپ سے علمی فیض حاصل کرتے رہے۔ آپ کا انتقال ۱۰۰۴ھ میں ہوا۔ آپ نے آٹھ معرکۃ الآراء کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جو حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر مجمع البحار: یہ کتاب لطائفِ قشیری کے اسلوب پر صوفیانہ نکات واشارات کو حاوی ہے۔ شیخ طاہر محدثؒ کی یہ تفسیر عربی زبان میں ہے۔ شیخ نے اس کو بزمانۂ قیامِ برار (اچل پور میں) لکھنا شروع کیا تھا۔ اور خطبے میں اپنے میزبان تفال خان کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب برہان پور میں تکمیل کو پہنچی تو

عادل شاہ فاروقی نے اپنے دوندیم مولانا حسین شیرازی اور جلال خان کو آپ کی خدمت میں بھیج کر التماس کی کہ اس خادم کے عہد کا ذکر اس کتاب کے خاتمہ پر کردیا جائے۔ آپ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور ایک مزید خطبہ لکھ کر اس خواہش کو پورا کردیا۔ صاحبِ تحفۃ الکرام نے مجمع البحار کو شیخ طاہر پٹنیؒ کی تصنیف لکھا ہے۔ وہ اس تفسیر سے مختلف ہے۔ شیخ طاہر پٹنیؒ کی تالیف کا نام شرح صحاح مجمع بحار الانوار ہے۔ جو چھپ چکی ہے گلزارِ ابرار میں نمونتاً چھ صفحات درج کیے گئے ہیں۔"[۷]

۲۔ مختصر قوۃ القلوب

۳۔ منتخب مواہب لدنیہ

۴۔ ملتقط جمع الجوامع سیوطی

۵۔ موجز قسطلانی: علامہ غوثی گلزار ابرار میں لکھتے ہیں کہ اس سے بڑی کوئی شرحِ بخاری نہیں ہے۔ بڑے بڑے بارہ دفتر دولاکھ بیت میں مختصر کیے ہیں۔

۶۔ تفسیر مدارک: اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور رحمت اللہ کے واسطے مختصر کی تھی اس کا آغاز اس طرح کیا ہے۔ قال ابو عبداللہ طاہر بن یوسف علیہ رحمۃ اللہ۔

۷۔ اسامی اجال صحیح بخاری: یہ کرمانی کے طور پر ایک شرح ہے۔

۸۔ ریاض الصالحین: اس کی فہرست کی ترتیب تین روضوں پر ہے۔ پہلا روضہ احادیثِ صحیحہ وحسنہ کے بیان میں ہے۔ دوسرا روضہ مشائخِ طریقت کے ناصحانہ اقوال پر مشتمل ہے۔ تیسرا روضہ صاحبانِ عرفان و وجدان و

معتقدینِ وحدتِ وجود کے حالات پر ہے۔

۹۔ حاشیہ کنز

محدثؒ کی مذکورہ سب ہی تصنیفات اس وقت نایاب ہیں۔

شیخ قاسم سندھیؒ :

آپ محمد طاہر سندھی محدثؒ کے چھوٹے بھائی اور مسیح الاولیاء حضرت عیسیٰ جند اللہؒ کے والد محترم ہیں۔ بڑے بھائی کے ساتھ وطن پات (سندھ) سے ہجرت کی۔ اس وقت آپ متاہل تھے۔ ترکِ وطن سے قبل آپ نے علوم ظاہری و باطنی میں دسترس حال کی اور شیخ بہاؤالدینؒ کے مرید ہوئے، جو اُس وقت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے استانے کے سجادہ نشین تھے۔ اچل پور پہنچ کر بڑے بھائی محمد طاہر سندھی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور آپ نے جاگیر کے موضعات کا انتظام سنبھالا۔ ۹۶۲ھ میں مسیح الاولیاء کی ولادت باسعادت ہوئی۔ مسیح الاولیاء کی ولادت کے وقت آپ موجود نہ تھے بلکہ جاگیر کے انتظامات کے سلسلہ میں آپ کا قیام موضع میں تھا۔ محدث صاحب نے نو مولود کا نام شیخ عیسیٰ رکھا۔ یہ خوشخبری آپ کو موضع میں ملی اور آپ اچل پور تشریف لائے اور فرزند کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ولادت سے قبل آپ کو بشارت کے ذریعہ نو مولود کا نام سلیمان مقرر کرنے کا اشارہ ملا تھا۔ لیکن بڑے بھائی کی رائے کو ادباً اختیار کیا۔ کبھی کبھی بھائی کی غیر موجودگی میں انھیں سلیمان کہہ کر پکارتے تھے۔ چند سالوں کے بعد دوسرے فرزند تولد ہوئے۔ اُس وقت بھی آپ اچل پور میں نہ تھے۔ اِس مرتبہ بڑے بھائی نے عثمان نام رکھا۔ اسے بھی آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ نہ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیسرا فرزند عطا کیا۔ لطیفہ غیبی سے محدث صاحب نے تیسرے فرزند کا نام

سلیمان رکھا۔ اس پر آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نہایت متوکّل متقی اور عبادت گذار تھے۔ محدث صاحب اپنے چھوٹے بھائی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی کا مشرب صوفیانہ تھا۔ ان کی دلاویز گفتار اور پسندیدہ اطوار سے اخیار و ابرار کی علامتیں ظاہر تھیں۔

مسیح الاولیاء فرماتے ہیں:

"ہنوز میرا زمانۂ ہوش نہیں تھا کہ آپ کا سایۂ عاطفت میرے سر پر سے اٹھالیا گیا۔ اُس وقت پدرِ بزرگوار کے بعض ہم نشینوں سے میں نے سُنا کہ توحید دانی، خداشناسی اور وحدتِ وجود کے اعتراف کے بارہ میں لوگ آپ کی تعریف کیا کرتے تھے اور آپ کو بہت کچھ خارق عادات اور بے تعینی وآزادی کی باتیں بیان کیا کرتے تھے۔ مجملہ ان کے ایک واقعہ مجھے یاد ہے۔ ایک روز میری والدہ ماجدہ کو ہمراہ لے کر میرے عمّ مکرّم شیخ طاہر رحمۃ اللہ کے گھر گئی تھیں۔ عمِ مکرّم کا گھر دو تین گلی کے فاصلے پر تھا۔ پدرِ بزرگوار کا ارادہ ہوا کہ آپ بھی وہاں جاویں لہٰذا میں نے چاہا کے مکان مقفّل کردوں مگر آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا اہلِ حقیقت کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ یہ سُن کر میں اسی طرح غیر مقفّل دروازہ چھوڑ کر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا احسان ہے کہ واپس آکر تمام چیزوں کو اپنے مقامات پر بدستور پایا اور آپ کے توکل کی بدولت کسی چور کا ہاتھ کسی شئے کو نہ لگا۔ جب شہنشاہِ زمانہ اکبر شاہ مجھ کو بد دن میری خواہش کے ازلی مشیّت کے موجب برہان پور سے دارُالسّلطنت آگرہ کو لے گئے تو چند روز بعد میں نے اپنے پدرِ بزرگوار کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے سندھی زبان کی بیت اس مضمون کی پڑھی

۔"اے فرزند! تجھ کو ہر چند لفظ 'لا' کے ساتھ درمیان میں سے ہٹا کر نیست کر دیا مگر تو ابھی اپنی ذات میں زعم ہستی رکھتا ہی ہے۔" جب میں بیدار ہوا تو اس اشارہ سے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنی رہائی کے واسطے تفکّر کے ذریعے سے تدابیر نکال کر زبان سے بیان کرنا اس سے مطلب فنا حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسا کرنا دراصل اپنے تئیں تسلیم و رضا کے مرتبہ سے شکوہ اور شرک کی پستی میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا یہ شیوہ چھوڑ دینا چاہئے اس خیال کی بنیاد پر انواع و اقسام کے تخیّلات کا تموّج دل میں دور کر دیا۔ اور آسودگی ہو گئی اور ایک ہفتے سے کم مدت میں وطن آنے کی اجازت مل گئی۔"۸

آپ کو اصنافِ سخن پر بھی دسترس حاصل تھی۔ حتیٰ کہ تاریخ گوئی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ ۹۸۱ھ میں بمقام اچل پور انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔۹

مسیح الاولیاء حضرت عیسیٰ جنداللہؒ:

آپکے آبا و اجداد کا وطن قصبہ پات ملک سندھ تھا جو ان ہی بزرگوں کی کوشش سے آباد کیا گیا تھا۔ ہمایوں کی لشکر کشی سے وہاں بد امنی پھیل گئی اور وہاں کے رہنے والے ہجرت کر گئے۔ ۹۵۰ھ میں مسیح الاولیاء کے والد شیخ قاسم سندھیؒ اور چچا شیخ طاہر سندھی محدثؒ نے مع عزیز و اقارب ہجرت کی۔ وطن سے نکل کر احمد آباد، گجرات پہنچے اور وہاں سے نکل کر اچل پور برار میں ورُود کیا۔

۵/ ذی الحجہ ۹۶۲ھ شب یک شنبہ کو مسیح الاولیاءؒ کی ولادت شہر اچل پور میں ہوئی۔ محدث شیخ طاہر سندھیؒ نے اپنے چچا کے نام پر ان کا نام شیخ عیسیٰ رکھا۔ مسیح

الاولیاء شیخ عیسیٰ نے اپنے مولداً براری ہونے پر فخر کیا ہے۔ وہ اپنا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"عیسیٰ بن قاسم بن یوسف رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف الشہابی الجندی السندی الہندی البراری العشقی الشطاری القادری کہ ملقب بہ عین العرفا و مکنی بہ ابوالبرکات است میگوید۔"١٠

صاحبِ گلزارِ ابرار مسیح الاولیاء سے نقل کرتے ہیں:

"جن ایام میں میری ماں مجھ سے اُمیدوار تھیں ان ایام میں پدرِ بزرگوار کے استاد (ملا اسمٰعیل) نے خواب دیکھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام میرے گھر تشریف لائے ہیں۔ انہی ایام کے قریب میری ماں نے یہ خواب دیکھا کے مولانا یونس ہمارے گھر آئے ہوئے ہیں جو ایک عالمِ متجر اور درویش مستغرق تھے۔ ان ایام میں پدر بزرگوار ایک گاؤں کو گئے ہوئے تھے جو ایرج پور (اچل پور) کے نزدیک ہی ہے۔ والدہ ماجدہ نے علی الصبح عمّی واستادی شیخ طاہر محدث کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ واقعہ خواب کا عرض کیا۔ عمِ مکرّم نے فرمایا تمہارے اس شکم سے ایک فرزند پیدا ہوگا جس کو دونوں جہاں کی ریاستیں نصیب ہونگی۔ بالآخرِ عمِ مکرّم کے موثر انفاس کے فیض سے روز یک شنبہ تاریخ پانچویں ذی الحجہ ہجری سنہ نو سو پینسٹھ یا تر سٹھ کو عنصری تصویر خانہ میں میرا نقش نمودار ہوا۔ عم نے تیمنا اپنے عم کے ہم نام میرا نام عیسیٰ رکھا۔ اس کے بعد پدرِ بزرگوار اس موضع سے لوٹ کر آئے جس موضع کو گئے ہوئے تھے تو انھوں نے اپنے استاد کے خواب کی بنیاد پر

یہ چاہا کہ میرا نام سلیمان رکھیں۔ لیکن بڑے بھائی کی بزرگی اور ادب
کے لحاظ نے بعض رکھا۔"۱۱

آپ نے دینی تعلیم کے ماحول میں آنکھ کھولی۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے چچا شیخ طاہر محدثؒ سے فقہ و حدیث کی تکمیل کی ابھی عمر شریف ۱۹ سال ہی کی تھی کہ ۵ / محرم ۹۸۱ھ کو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اسی اثناء میں تقال خان کا بھی انتقال ہو گیا اور سقوطِ سلطنتِ برار سے وہاں کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا۔ ادھر والیٔ خاندیس عادل شاہ فاروقی شیخ طاہر سندھیؒ سے استدعا کر رہا تھا کہ وہ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے شہر برہان پور کو عزت بخشیں چنانچہ محدث صاحب مع متعلقین و عزیز و اقارب برہان پور منتقل ہو گئے۔ عمِ مکرّم کے ہمراہ مسیح الاولیاءؒ بھی ۹۸۲ھ کو برہان پور پہنچے۔ وہاں پہنچ کر شیخ یوسفؒ کے درس میں شریک ہوئے۔ شیخ مبارک سندھیؒ سے اصول فقہ و علم کلام میں سند حاصل کی۔ شیخ فتح اللہ شیرازیؒ سے ریاضی و عُروض سیکھی۔ شیخ ابراہیم قاری ملقب بہ مرغِ لاہوتی سے تجوید و قرأت میں جبریلی لہجے کی تعلیم حاصل کی۔

طبیعت میں سیر و سفر کا جذبہ پیدا ہوا تو گوالیار کے راستے آگرہ پہنچ کر حضرت قاضی جلال الدین ملتانیؒ سے ملاقات کی۔ حاضرین میں ملا ابوبکر عطاء اللہؒ اور حکیم اسحاق ملتانیؒ سے تعارف ہوا۔ چند روز کے بعد شیخ طاہر محدثؒ کا خط ملا کہ برہان پور میں حکیم عثمان بو بکانی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ یہاں آجاؤ۔ آپ اس خط کو پا کر برہان پور لوٹ آئے اور ان سے علوم عقلیہ و نقلیہ اور تجوید کی کتابیں پڑھتے رہے۔

انہی دنوں ایک روز چوک بازار میں ایک دوکان پر بیٹھے تھے کہ حضرت شیخ لشکر محمد عارفؒ اور ان کے ماموں شیخ ولی محمدؒ اس طرف سے گزرے۔ شیخ لشکر محمد نے

گھوڑے کی باگ روک لی اور آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم تو ہمارے ہو ہمارے پاس کیوں نہیں آتے اور روانہ ہو گئے۔

مسیح الاولیاء کے دل میں بھی آپ سے ملنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ ایک دو ملاقاتوں میں دل کی حالت بدل گئی اور بیعت ہو کر زمرۂ مریدین میں شامل ہوئے۔ مرشدِ کامل کے فیض نے آپ کو مسیح الاولیاء بنادیا اسی بات کو فرط ارادت سے محمد قاسم فرشتہ اس شعر میں بیان کرتے ہیں۔

دو عیسیٰ ست فرخندہ در نسلِ آدم   یکے ابنِ قاسم یکے ابنِ مریم

آپکے ملفوظات کا ایک نسخہ آپکے ایک خلیفہ شیخ اسمٰعیل فرحی نے کامل بیس سال تک حاضر خدمت رہ کر کشف الحقائق کے نام سے مرتب کیا۔ ۱۰۲۰ھ میں یہ نسخہ تالیف ہوا ہے۔ غوثی مانڈوی نے گلزارِ ابرار میں آپکے حالات زیادہ تر اسی کتاب سے درج کئے ہیں۔ آپ کے خلیفہ شیخ برہان الدین رازِالٰہیؒ نے آپکے چند ملفوظات وحالات روائح الانفاس میں تالیف کیے ہیں جو قلمی شکل میں دستیاب ہے۔

مسیح الاولیاء کے مرید حضرت رازِالٰہیؒ سے روایت ہے کہ ایک روز میں نے مسیح الاولیاءؒ سے دریافت کیا کہ حضور دنیا کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ایک ہندی کا دوہا ارشاد فرمایا جس کا مفہوم مولانا روم کے اس مشہور شعر کا جامع ترجمہ ہے۔

چیست دنیا ازخدا غافل بدن   نے قماش ونقرہ وفرزند و زن

وہ دوہا یہ ہے:

جے ہر کوں بسرا وے سہی   دنیا ناؤں اسی کا لہی

(روائح الانفاس ص ۳)

آپ کے درس میں ایسی جاذبیت تھی کہ طلبہ کے علاوہ اہلِ ذوق کثیر تعداد

میں شریکِ درس ہوتے تھے۔ طلبہ کو اجازت تھی کہ اگر کوئی چاہے تو درس کا مفہوم بیان کرے۔ طلبہ کی بحث کے بعد آپ مفہوم و معانی آسان و سادہ الفاظ میں بیان فرماتے۔ آپ کی بعض تصانیف سلسلۂ درس ہی کے دوران تالیف ہوئیں اور بعض آپ کی طالبِ علمی کے دور کی یادگار ہیں۔ فہرست تالیفات اس طرح ہے:

۱۔ روضۃ الحسنیٰ: شرح نوّدونہ نام الٰہی۔ اس کا سنہ تالیف ۹۸۹ھ ہے۔
۲۔ عین المعانی: شرح نوّدونہ نام الٰہی۔ اس کا سنہ تالیف ۹۹۷ھ ہے۔
۳۔ انوارالاسرار: قرآن مجید کی بے نظیر تفسیر ہے۔
۴۔ رسالہ حواس پنجگانہ
۵۔ حاشیہ بر اشارۂ غریبہ کتاب انسان کامل: یہ حاشیہ آپ نے اس وقت تحریر فرمایا جب آپ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ کے خلیفہ سید احمد دکنیؒ کی شاگردی میں داخل تھے۔
۶۔ شرح قصیدۂ بردہ: فارسی شرح
۷۔ رسالہ قبلۃ المذاہبِ اربعہ مع اشارۃ اھل تصوف
۸۔ حاشیہ بر شرح ضیائیہ
۹۔ فتح محمدی در علوم ما یتعلق بہ التفسیر
۱۰۔ تتمیم شرح مائۃ عامل
۱۱۔ رسالہ عقود
۱۲۔ شرح دو رباعی
۱۳۔ ترجمہ اسرار الوحی
۱۴۔ رسالہ وحدت وجود

۱۵۔ رسالۂ دقیقہ از بیاضِ یادگار

مسیح الاولیاء حضرت شیخ عیسیٰ جنداللہؒ کا وصال برہانپور میں ۱۴ر شوال ۱۰۳۱ھ کو ہوا۔ آپ اپنے حجرے ہی میں مدفون ہوئے۔ خان خاناں عبدالرحیم خان نے مزار پر شاندار گنبد تعمیر کروایا۔

شیخ سلیمان سیفی سندھی البراری البرہانپوریؒ:

آپ شیخ قاسم سندھیؒ کے فرزند مسیح الاولیاء عیسیٰ جنداللہؒ کے برادرِ خورد اور شیخ طاہر سندھیؒ کے بھتیجے ہیں۔ آپ کی ولادت ۹۶۶ھ میں شہر اچل پور میں ہوئی۔

شیخ سلیمان نے گھر ہی میں اپنے چچا شیخ طاہر محدث سے تعلیم پائی۔ والد کے انتقال کے بعد شیخ طاہر اپنے اعزّاء واقرباء کے ہمراہ برہان پور منتقل ہو گئے۔ ان میں شیخ سلیمان بھی برہان پور پہنچے۔ آپ کو فطری طور پر شاعری کا ذوق حاصل تھا۔ گھر میں صوفیانہ ماحول نے صوفیانہ شاعری کا رنگ اور گہرا کیا۔ آپ کو فنِ سپہ گری میں بھی مہارت حاصل تھی۔ حضرت شاہ لشکر عارف باللہؒ کے مرید ہوئے تو حضرت نے سپہ گری کے تعلق سے سیفی تخلص عطا کیا۔ آپ نے فاروقی سلطان راجے علی خان کی ملازمت اختیار کی اور ان کے محافظ دستے میں شامل ہو گئے۔

راجے علی خاں فاروقی کے ساتھ سُہیل خان دکنی نے ۱۸ر جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ میں جنگ کی۔ اس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ ۱۰۰۵ھ میں بیجاپور کی مہم پر اکبر بادشاہ نے اپنے لڑکے مُراد اور عبدالرحیم خان خاناں کو مقرر کیا۔ خان خاناں نے حکمتِ عملی سے والیٔ خاندیس راجے علی خان عادل شاہ فاروقی کو برہان پور سے

شیخ مبارک سندھیؒ:

آپ شیخ طاہر محدث سندھیؒ کے ہم وطن تھے۔ آپ کا وطن موضع پات دونوں بزرگوں کے آباد و اجداد کا آباد کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے شیخ مبارک سندھیؒ کو شیخ طاہر سندھیؒ سے بہت زیادہ اتحاد قلبی و تعلق تھا۔ شیخ مبارک سندھیؒ نے مخدوم عباس ابن شیخ جلالی سندھیؒ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا اور تکمیلِ علم کے بعد شیخ طاہر سندھیؒ کی طرح ترکِ وطن کیا۔ پہلے احمد آباد پہنچے اور وہاں مسجد ناصر الملک کے مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ صاحبِ گلزار ابرار لکھتے ہیں کہ شیخ مبارکؒ احمد آباد سے برہانپور پہنچے تو اس صوبے کے حاکم نے انھیں قصبۂ چوپڑہ کی منصب قضا پر مامور کیا۔ لیکن سید محمد مطیع اللہ راشد برھانپور کے سندھی اولیاء میں لکھتے ہیں کہ شیخ نے چند سال احمد آباد میں بسر کیے بعد میں دل برداشتہ ہو کر اچل پور چلے آئے۔ [۱۴]

ہم وطن دوست شیخ طاہر سندھیؒ کی سفارش پر والیٔ برار نے مزید ایک مدرسہ جاری کر کے شیخ مبارکؒ کو بھی مدرّسی پر مامور کیا۔ جب عماد شاہی حکومت درہم برہم ہو گئی تو شیخ طاہر سندھیؒ اور شیخ مبارک سندھیؒ برہانپور آ گئے۔ اس وقت بادشاہ محمد شاہ فاروقی نے شیخ مبارک کو قصبۂ چوپڑہ کا قاضی مقرر کیا۔ لیکن برہانپور کی روحانی مجلسوں کی یادیں ستانے لگیں اس لیے اپنے منصب سے استعفیٰ دے کر برہانپور چلے آئے۔ بادشاہ نے آپ کے لئے مدرسہ قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔

شیخ مبارکؒ نے برہانپور آکر حضرت شیخ لشکر محمد عارفؒ سے بیعت کی۔ ان سے شرح قیصری پڑھی اور مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ کو علومِ متداولہ کی تعلیم دی۔ آخرِ ۹۸۸ھ میں برہانپور میں انتقال کیا۔ گلزارِ ابرار میں انتقال کا سال ۹۷۸ھ لکھا ہے جو

اپنے ساتھ لے لیا۔ شیخ سلیمان سیفیؔ بھی عادل شاہ کے ہمراہ نکلے۔ ناندیڑ میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ عادل شاہ ۳۵ سردار نامدار اور ۵۰۰ غلام وفادار کے ساتھ اس میدان میں شہید ہو گیا۔ بادشاہ کی لاش برہان پور لائی گئی۔ بادشاہ کے علاوہ کسی کی لاش میدان کارزار سے لانے کی وضاحت نہیں ملتی۔ گمان یہی ہے کہ شیخ سلیمان سیفیؔ کو اسی جگہ گنجِ شہیداں میں سپردِ خاک کیا گیا ہو۔ ۱۲

سیفیؔ کا کلام برادرِ بزرگ مسیح الاولیاء کی تالیف عین المعانی میں رباعیات کی شکل میں ملتا ہے۔

شیخ طیب سندھیؒ:

آپ کا نسبی تعلق سندھ کے بزرگ مخدوم ہارونؒ سے تھا۔ ظاہری علوم ملا یونس مفتی سندھیؒ سے حاصل کیے۔ حافظ، عالم اور جیّد قاری کی حیثیت سے تکمیل علوم سے فارغ ہو کر وطن کو خیرباد کہا اور اچل پور برار کی طرف سفر کیا۔ اور محمد طاہر محدث سندھیؒ کے ساتھ علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ محمد طاہر سندھی سے اتنا خلوص و تعلق پیدا کیا کہ لوگ ان کی محبت کو دیکھ کر باہم بھائی بھائی سمجھتے تھے۔ جب محمد طاہر سندھیؒ نے اچل پور سے برہان پور کا رُخ کیا تو آپ نے بھی اُن کے ہمراہ نقلِ مکانی اختیار کی۔

مسیح الاولیاء حضرت عیسیٰ جند اللہؒ فقہ اور کلام میں آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کی تالیفات میں رسالۂ غوثیہ اور شرح مشکوٰۃ شریف ہیں۔ شرح مشکوٰۃ (کتاب الآداب۔ جلد چہارم) اچل پور کی جامع مسجد میں قلمی شکل میں موجود ہے۔

آپ کا انتقال برہان پور میں ۹۹۱ھ کے بعد ہوا۔ ۱۳

شیخ مبارک سندھیؒ:

آپ شیخ طاہر محدث سندھیؒ کے ہم وطن تھے۔ آپ کا وطن موضع پات دونوں بزرگوں کے آباد واجداد کا آباد کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے شیخ مبارک سندھیؒ کو شیخ طاہر سندھیؒ سے بہت زیادہ اتحاد قلبی و تعلق تھا۔ شیخ مبارک سندھیؒ نے مخدوم عباس ابن شیخ جلالی سندھیؒ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا اور تکمیلِ علم کے بعد شیخ طاہر سندھیؒ کی طرح ترکِ وطن کیا۔ پہلے احمد آباد پہنچے اور وہاں مسجد ناصر الملک کے مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ صاحبِ گلزار ابرار لکھتے ہیں کہ شیخ مبارکؒ احمد آباد سے برہانپور پہنچے تو اس صوبے کے حاکم نے انھیں قصبۂ چوپڑہ کی منصب قضا پر مامور کیا۔ لیکن سید محمد مطیع اللہ راشد برھانپور کے سندھی اولیاء میں لکھتے ہیں کہ شیخ نے چند سال احمد آباد میں بسر کیے بعد میں دل برداشتہ ہو کر اچل پور چلے آئے۔ [۱۴]

ہم وطن دوست شیخ طاہر سندھیؒ کی سفارش پر والیٔ برار نے مزید ایک مدرسہ جاری کر کے شیخ مبارکؒ کو بھی مدرّسی پر مامور کیا۔ جب عماد شاہی حکومت درہم برہم ہو گئی تو شیخ طاہر سندھیؒ اور شیخ مبارک سندھیؒ برہانپور آ گئے۔ اس وقت بادشاہ محمد شاہ فاروقی نے شیخ مبارک کو قصبۂ چوپڑہ کا قاضی مقرر کیا۔ لیکن برہانپور کی روحانی مجلسوں کی یادیں ستانے لگیں اس لیے اپنے منصب سے استعفیٰ دے کر برہانپور چلے آئے۔ بادشاہ نے آپ کے لئے مدرسہ قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔

شیخ مبارکؒ نے برہانپور آکر حضرت شیخ لشکر محمد عارفؒ سے بیعت کی۔ ان سے شرح قیصری پڑھی اور مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ کو علومِ متداولہ کی تعلیم دی۔ آخرِ ۹۸۸ھ میں برہانپور میں انتقال کیا۔ گلزارِ ابرار میں انتقال کا سال ۹۷۸ھ لکھا ہے جو

سہوِ کتابت کہا جائے تو درست ہے۔ ۱۵

شیخ اسحاق قلندر سندھیؒ :

آپ کا وطن سندھ کا موضع پات ہے، جہاں پیائی آپ کا مشغلہ تھا۔ دس سال سیاحی کے بعد آپ نے ۹۵۸ھ میں سیاحت ترک کی اور گجرات کے راستے علاقۂ برار میں اچل پور شہر پہنچ کر شیخ طاہر سندھیؒ کی مصاحبت اختیار کی۔ تادمِ آخر اُن سے وابستگی رہی۔ جس وقت شیخ طاہر سندھیؒ برہانپور تشریف لے گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ تھے ۱۰۱۰ھ میں برہانپور میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ ۱۶

مراجع ومصادر

۱۔ محمد عبدالجبار ملکاپوری۔ محبوب الوطن تذکرۂ سلاطینِ دکن (اول) ص ۹۳

۲۔ محمد غوثی شطاری مانڈوی۔ اذکارِ ابرار (اردو ترجمہ) ص ۴۲۶

۳۔ محمد مطیع اللہ راشد۔ برھانپور کے سندھی اولیاء ص ۲

۴۔ کشف الحقایق (قلمی نسخہ) ص ۳

۵۔ راشد۔ ایضاً ص ۶۔ ۴

۶۔ محمد غوثی۔ ایضاً ص ۷۔ ۲۔ ۴۲۶

۷۔ محمد غوثی۔ ایضاً ص ۴۳۲

۸۔ محمد غوثی۔ ایضاً ص ۹۹۔ ۳۹۸

۹۔ امجد حسین خطیب۔ تاریخ امجدی ص ۶۳۳

۱۰۔ عین المعانی (قلمی نسخہ) ص ۳

۱۱۔ محمد غوثی۔ایضاً ص ۱۰۔۵۰۹

۱۲۔کشف الحقایق (قلمی نسخہ) ص ۵۰

۱۳۔راقم نے جامع مسجد کے مخطوطات کی فہرست مرتب کی ہے اسی مسجد کے مدرسے میں شیخ طیب سندھیؒ مدرس تھے۔

۱۴۔راشد۔ایضاً ص ۳۔۲۰۲

۱۵۔محمد غوثی۔ایضاً ص ۳۱۶

۱۶۔راشد ایضاً ص ۲۳۔۴۲۲

☆☆☆

اچل پور کے اولیاء اور ان کے مزارات

سیّد امجد حسین خطیب (مرحوم)

(تاریخِ امجدی [اردو] سے ماخوذ)

شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ :

حضرت غلام حسین صاحب رَوضۃُ الرّحمن میں اور غازی میاں صاحب اپنے رسالہ جنگنامہ (اردو) میں کتاب تاریخ جہانی سے اور کچھ مردمانِ کہن سال کی زبانی یوں لکھتے ہیں کہ یہاں نو سو برس اول ایک راجا بنام ایل راجپوت قوم کا حاکم ملکِ برار تھا۔ اس کا دارالرّیاست بلدۂ ایلچ پور تھا۔ قضارا ایک مسلمان باد فروش نے اس کے دربار میں دینِ محمدی کی تعریف کیا۔ راجۂ مذکور نے خشمناک ہو کر اس کا ہاتھ کٹوا کر شہر بدر کر دیا۔ باد فروش مظلوم 'الغیاث' کرتا ہوا سلطان ناصر الدین سبک تگیں کا نام سنکر بسمتِ غزنین راہی ہوا۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ سلطان ناصر الدین نے ۳۸۷ھ ہجری میں وفات پایا۔ باد فروش مذکور حسبِ ہدایت سکنہ غزنی شاہ عبدالرحمٰن کی خدمت میں مستغاثی ہوا۔ شاہ عبدالرحمٰن نواسۂ سلطان ناصر الدین جو بالفعل جشنِ کتخدائی میں مصروف تھے بمجرد استماعِ حال 'بزمِ شادی و عقدِ نکاح موقوف رکھ کر عازمِ جہادِ راجۂ ایل ہوئے۔ آپ کی والدہ بی بی ملکہ جہاں بنتِ سلطان ناصر الدین اور تین بھائی حقیقی عمو غازی، دمو غازی، بہرام غازی وغیرہ اشخاص نے ہمراہی لئے چنانچہ آپ نے لشکرِ مجاہدین ہمراہ لیکر بسمتِ برار روانہ ہوئے اور کوچ بکوچ تا بہ قصبہ ہردہ، ہندیہ

کہ الحال سرحد ملک برار اور چھ منزل ایلچ پور سے شمال رویہ ہے رونق افروز ہوئے۔ یہ کیفیت بذریعہ قاصدانِ تیز قدم راجہ ایل کی سماعت میں آئی۔ راجہ مذکور نے زہر خند کر کر مشیروں سے ایسا کہا کہ شہزادہ غزنوی کی اجل گردن میں رسی ڈالے ہوئے کھینچ کر لارہی ہے۔ خلاصہ کلام ایل نے بمشورہ دستورِ اعظم ہیراٹ وبرادر مہیبت و تونڈو دیدہ و کاندہے کہ امرای روشناس تھے۔ لشکرِ عظیم مقابل فوجِ اسلام روانہ کیا چنانچہ ہر دو فوج کا مقابلہ کھیر لہ کے میدان میں جو ایلچ پور سے شمال رویہ تین منزل پر واقع ہے ہوا اور جنگِ عظیم ظہور میں آیا۔ الغرض طرفین کے بے حساب شہید و مقتول ہوئے ایسے وقت میں شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ نے بموجب الہام غیبی سر تن سے قطع کر کر اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں دیکر تنِ بے سر سے مقابلہ اور مجادلہ شروع کئے کہ یکایک فوجِ راجہ ایل کو شکست فاش ہوئی زوبفرار رکھی لشکر اسلام تعاقب کیا ہوا پہاڑ کی راہ سے پاشنہ کوب بہرم پور سے ایلچ پور کی طرف راہی ہوا اور متصل موضع کانڈلی ویر تواڑہ جو ایلچ پور سے بجانب شمال دو کوس ہے پہنچی تھی کہ راجا ایل بھی معہ خاصان خیل و لشکر جرار آزمودہ کار بسرعت تمام فوج مغرور کی کمک کے واسطے اب جس مقام میں کہ زیارت گنج شہید ہے خطرناک جنگل اور وادی لق و دق تھا آن پہنچا اور دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ شہزادہ شاہ عبدالرحمٰن مقابل، ریدہ کے ہوئے۔ ریدہ مقابل سے فرار ہوا اور شہ عالم صاحب اوس کا پیچھا کئے ہوئے تابہ قصبہ ریدہ پور پہنچے اوسکا کام تمام ہوا۔ اور شہ عالم صاحب بھی شہید ہوئے چنانچہ مزار آپ کا تاحال موجود ہے۔ اسی قدر ایل نے بھی تاب مقادمت نہ لایا اور معرکہ سے بھاگ کر اندرونِ قلعہ ارک تہ خانہ بنا رکھا تھا کہ اندر اندر زمین کے کوہ گاویل تک اس کی راہ پہنچایا تھا اوس کو بھنوارہ کہتے ہیں اس میں داخل ہو گیا۔ اور مصاف میں کوئی مقابلے کو نہ رہا تب شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ نے میدان مصاف سے

لاش شہیدوں کی جمع کرواکر ایک غار عمیق میں تمام لاشیں شہیدوں کی بھر دے اوس پر ایک قبر تعمیر کئے اور ناصر و منصور تلاش میں راجہ ایل کے داخل ایلچ پور ہوئے۔ تاریخ شہادت یعنی تین سو بیانوے (۳۹۲ھ) مطابق ۱۰۰۱ء کے گنج شہید سے ظاہر ہوتی ہے۔ الغرض جس وقت کے آپ داخلِ شہر ہو کر مقام کمان تک پہنچے تھے کہ کمان آپ کے قصبہ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے ایماء غیب تصور کر کر واپس ہوئے جہاں درگاہِ مبارک ہے وہاں قیام فرما کر دلاورانِ فوج کو واسطے دستگیر کرنے راجہ ایل کے روانہ کئے۔ حضرت پیربانن صاحب سے اور مہیپت سے شہر میں مقابلہ ہوا۔ آپ نے سر اوسکا قطع کئے اور خود بھی جان بحق ہوئے چنانچہ قبر انکی پختہ زیر فصیل قلعہ کے مشرق رویہ چبوترہ سنگین زینہ دار پر بنی ہوئی ہے۔ لاش زمیں میں ہے اوسپر چبوترہ بلند تعمیر ہو کر تعویذ تربت کا بنایا گیا ہے اور حبش صاحب نے راجہ ایل کے چچا کو قتل کر کر شہید ہوئے چنانچہ ہیراپورہ میں شارعِ عام پر درگاہ آپ کی موجود ہے۔ اور پیر منّان صاحب نے بھی ایک سر کردگانِ فوجِ راجہ ایل کو قتل کر کر شہید ہوئے چنانچہ قبر آپ کی درگاہ حبش کے کڑلی سات میں ہے۔ اور پیر چندا صاحب نے مسمی کانڈہی کو قتل کئے مزار ان کی قاصد پورہ میں حسینی فیکڑی کے نزدیک شارع عام پر واقع ہے۔ القصہ یہ کہ کشش کس تعاقب راجہ ایل کا کر کر تہ خانہ یعنی بُھَنوارے میں سے زندہ گرفت کر کے شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے روبرو حاضر کئے آپ نے کلمہ طیبہ تلقین کئے قبول نہیں کیا آپ نے پوچھے راجہ ایل اگر میں تیرے قید میں آتا تو میرا حال کیا کرتا جواب دیا کہ پوست نکلوا کر اوسمیں کچرا بھر کر جلادیتا اور گوشت اور استخوان زمین میں دفن کر دیتا آپ نے شجاعان جہاد سے کہا کہ راجہ کے منشا کے موافق اس کے سات عمل کریں۔ چنانچہ اسی طور اس کا پوست نکال کر کچرا بھرا گیا اور گوشت استخوان زمین میں

دفن کئے کہتے ہیں کہ درگاہ میں گلفروش کی دوکان کے عقب جو بارادری میں ہے اس کے شمال رخ راجہ مذکور یعنی ایلِ قتیل مدفون ہے۔ منت کے جانور مثل گائے بیل کے وہیں ذبح ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ سر آپ کا قصبہ کھیڑلہ میں مدفون ہے۔ اس پر گنبد بنایا گیا ہے۔ زیارتِ سر مبارک کا گنبد کھیڑلہ کے قلعہ کے متصل کنارہ دریائی ماچھنا کے نور افشاں ہے۔ اور بعض راوی ہیں کہ آپ کا سر آپ کے جسد سے والدہ صاحبہ نے بعد فتح کے ملادئے تھے اور جسد معہ سر کے مدفون ہے اور پیر غیب صاحب اور پیر حبش صاحب اور پیر بالن صاحب اور اطراف و اکناف میں کرجگاؤں اور ماناں اور اڑگاؤں وغیرہ کے بہت بزرگوار مدفون ہیں۔ جب حضرت شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ استیصال سے راجہ ایل کے فارغ ہوئے ہاتف سے ندا ہوئی کہ اگر خواہش سلطنتِ دنیا کی ہو تو وہ مرحمت کروں اور اگر ارادہ عقبیٰ کا ہو تو وہ عنایت کروں۔ آپ نے سلطنت اخروی اختیار کئے اور جان بحق تسلیم فرمائے اور بہت سے اصحاب خاص مجروح اور غیر مجروح مرحلہ پیمائے عالم بقاء ہوئے۔ حضرت شمس الدین صاحب آپ کے استاد اور اتالیق نے معہ چند رفقاء کے کہ بقید حیات تھے آپ کے مزار اور تمام شہیدوں کے مزارات حسنِ ترتیب سے کندہ کراکر مدفون کئے اور تعویز مٹی کے بنادیئے۔ پیر غیب صاحب کو تہ خانہ مذکور میں اور پنج پیر کو انکے قریب تھوڑے فاصلے سے مدفون کیے۔ بائیں طرف مزارِ پیر غیب صاحب کے ایک پشتہ طولانی مربع بقدر قبر کے ہے۔ عوام مسلمان کہتے ہیں کہ ان کی والدہ ماجدہ کی قبر ہے اور کالے صاحب اور شاہ موسیٰ صاحب ہر دو برادر ہیں۔ یہ دونوں برادر بارہ برس اول ورود حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ کے حسب ارشاد جناب رسالت مآب ﷺ کے واسطے جہاد راجہ ایل کے بغداد شریف سے تشریف لاکر ایلچ پور میں منتظر نزولِ لشکرِ شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے

مقیم تھے۔بعد ورُودِ لشکر کے آپ کے ہمراہ ہو کر جنگ کئے اور شہادت پائی اور بل کھنڈی صاحب درویش بھی آپ کے لشکر کے ہمراہ تھے انھوں نے ایک بل کھنڈی نام سردار کو ایل کے قتل کر کر شہید ہوئے۔ قریہ بڑگاؤں سے ایک کوس دامن کوہ میں ان کی زیارت ہے۔ سولھویں تاریخ جمادی الاول کو فقرای مداریہ ان کا عرس کرتے ہیں۔اور حضرت خالق شاہ ولی قاصد پورہ میں اور شاہ نعمت اللہ صاحب اور بالے بھولے صاحب اور پیر بودے صاحب مجذوب اور مردانِ خدا اور مردانِ دوست اور جان سرور صاحب آپ کے ہمراہیوں میں سے ہیں اور پیر کمال صاحب بھی ہمراہ رکاب آپ کے تھے۔ تاریخ شہادت آپ کی گیارویں ماہ ربیع الاول ۳۹۲ھ (تین سو بیانوے ہجری) ہے کہ اس قطعہ فارسی میں مادہ و تاریخ احیاء عند ربھم ہے یعنی شُہدُاء زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک۔ قطعہ لمولفہٗ

شاہ رحمان چوں بغزو راجہٗ ایل	در برار اندر رہ حق شد قتیل
جملۂ اَحیاء عِند رَبھم	ازپئی تاریخ گفتا جبرئیل

چودر غزوۂ عبد رحمان شاہ	شد از کافراں قتل جم غفیر
پئی تہنیت کوس شد در غریو	کہ شد بہر کفار بئس المصیر
چو سال از لب یوق کردم طلب	وَما واھُم النّار آمد نقیر

۳۹۲ھ

شاہ عبدالرحمٰن غازی کا روضہ بہمنی امیر ناظم برار صفدر خان سیستانی نے ۷۷۷ھ میں تعمیر کروایا۔

حضرت سید محمد صاحبؒ:

حضرت سیدّ محمد صاحبؒ قدس سرہ خلیفہ حضرت شاہ برہان رازِالہ شطاریؒ کے ہیں۔ زادبوم ان کا بلدۂ برہان پور ہے۔ مردانِ کمال اور صاحبانِ کشف و حال سے ہیں۔ آپ کو ارواح پاک حضرت شاہ عبدالرحمٰن قدس سرہ سے بھی فیض پہنچا ہے بلکہ بارہ برس کی مدت تک ایلچ پور میں املی کے درخت تلے جو عرس کے چوک میں سر راہ واقع تھا بطرف گنبد آپ کے متوجہ ہو کر قیام کئے ہیں بعدہ حکم ہوا کی مسجد میں بستر لگاؤ۔ ایک مدت تک مسجد میں درگاہ کی آپ کا بستر رہا پھر حکم ہوا کہ سراء میں ایلچ پور کی مکان بنا کر قیام کرو اور اسی شب علاقہ دارانِ سرا کو جو نواب ایلچ خان کے تھے بشارت ہوئی۔ علی الصبح علاقہ دارانِ سراء درگاہ میں حاضر ہوئے سیدّ محمد صاحب ورد و ظائف سے فارغ ہو کر متوجہ علاقہ دار سراء کے ہوئے چنانچہ علاقہ دار سراء اور سید محمد صاحب سراء میں آن کر اب جہاں کے درگاہ آپ کی ہے وہ مقام پسند کئے اور وہاں مکان بنا کر رہنے لگے۔

ایک خلق آپ سے رجوع ہوئی چنانچہ سیدّ شریف خان شجاعت جنگ نایب رکن الدین نہایت معتقد ہوئے اور نواب لودھی خان ساکن بلدہ ایلچ پور بھی ان سے نہایت رسوخیت رکھتے تھے۔ آخرِش ساتویں تاریخ ماہ محرم ۱۱۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد شجاعت جنگ مذکور نے ایک گاؤں بنام چاندورہ واسطے اخراجات خادمانِ درگاہِ شریف کے جاگیر کر دیا اور احاطہ مقبرہ کا اور گنبد تعمیر کر کے حوض اور کنواں اور مسجد اور مسافر خانہ احداث کیا۔ چونکہ سیدّ محمد صاحب متاہل نہ ہوئے تھے سید عبدالرحیم صاحب ان کی مہر کا سجع ہے خورشید جہان مادۂ تاریخ وفات کا ہے اور قطعہ سے یہی تاریخ نکلتی ہے۔ قطعہ ؎

سید شطار مشرب مصدر فیضِ عمیم چوں زدنیا رفت بہر سیر جنات النعیم

ازبرائے سال شنقا رہنمائے اوج دین گو کہ شد فردوس جائے ماللہ عبد الرحیم

برادر زادہ آپ کے یعنی عبدالقادر صاحب کے فرزند سجادہ نشین ہوئے اور ابواب ارشاد کے کشادہ رکھے بعد ۱۱۷۹ گیارہ سوانیاسی میں غُرّہ شوال کو انھوں نے بھی انتقال کئے مصرعہ 'سایہ سیدّ محمد بر سرِ عبدالرحیم' ان کے انتقال کے بعد خدمت وہاں کی عبدالقادر عرف بابا میاں ہمشیر زادہ کی طرف ہوئی ان کے بعد مالے میاں صاحب۔ مالے میاں صاحب کا نام شاہ شمس الدین اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شاہ رکن الدین ہے۔رحمۃ اللہ علیہما۔ ان دونوں بزرگواروں کی قبر شارعِ عام پر جو کہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن غازی قدس سرہ کی درگاہ مبارک کو جاتی ہے نامدار باغ کے قریب واقع ہے اور جس تکیہ میں آپ کا مزار ہے وہ تکیہ آپ کے عرف سے مشہور ہے جانبِ مشرق قبر مالے میاں صاحب کی اور جانبِ مغرب اس کے بازو سے ہینگن میاں صاحب کی۔ ہینگن میاں مشائخ متعلقان شاہ سراج الدین صاحب شاہ نور شکر کو ٹھی قدس سرہ کی طرف مقرر پائی بعد ازاں خدمت وہاں کی نبیرۂ قرابت زوجۂ شاہ عبدالرحیم صاحب کی کہ شاہ برہان الدین عرف عطو میاں صاحب کا ہوا چنانچہ اب تک عطو میاں صاحب کے متعلقین جاگیر اور خانقاہ پر قابض اور متصرّف ہیں اور عرس وغیرہ اور جاروب کشی خانقاہ کی جاری ہے۔

محبوب باڑہ :

محبوب باڑہ ساپن ندی کنارۂ مغرب پہ واقع ہے احداث کیا ہوا حضرت شاہ علاء الدین کا ہے مسجدِ پختہ اور حوض وغیرہ آنندا تیلی نے کہ مرید حضرت موصوف کا

تھا تعمیر کیا۔ احاطہ کے اندر مرزا عبدالرزاق صاحب اور سید تاج الدین عرف سجادہ صاحب فرزندان حضرت شاہ علاؤالدین صاحب کے ہیں۔ اسکے پہلو میں تکیہ زاہد شاہ درویش کا کہ سرگروہ درویشان ایلچ پور کے تھے واقع ہے یہ درویش ہمعصر حضرت شاہ غلام حسین صاحبؒ کے تھے نواب بھلول خان بہادر نے بندگانِ عالی نظام علی خان بہادر سے ملاقات سرکردہ موصوف کی کروائے تھے۔

شاہ سیّد غلام حسین چشتیؒ :

شاہ سیّد غلام حسین چشتیؒ ایلچ پور کے صوفی شاعر گزرے ہیں ان کے والد ماجد غلام حسن جوانی ہی میں برار آگئے تھے۔ پیشۂ سپہ گری ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اور ایلچ پور میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہیں ۱۱۳۳ھ میں سیّد غلام حسین پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ایلچ پور میں حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ (التوفی ۱۱۴۲ھ) کے مرید شاہ اسماعیل چشتیؒ (التوفی ۱۱۶۶ھ) مسند رشد و ہدایت پر متمکّن تھے۔ شاہ سیّد غلام حسینؒ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے اور تمام زندگی درویشانہ استغناء کے ساتھ گزاری۔ آخرِ ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو انتقال کیا۔ آپ نے اپنے والد اور پیر کی مزار پر خوبصورت گنبد تعمیر کیا اور خود گنبد کے داخلی دروازے کے نیچے آسودۂ خاک ہیں۔

گنبد حضرت شاہ محمد قاسم سندھیؒ :

محمد قاسم سندھیؒ کا گنبد سندھی پورہ میں ہے۔ اب اس محلے میں آبادی نہیں ہے۔ زمین افتادہ کو محمد حنیف عرف حنومیاں نے باغ بنائے ہیں موز، سنترے، انجیر اور جام وغیرہ کے تختے لگائے ہیں۔ پانچویں تاریخ محرم کو آپ کا صندل ہوا کرتا ہے

محمد قاسم سندھی حضرت عیسیٰ جنداللہ کے والد ہیں۔

تکیہ جمال مرغی :

ایک تکیہ جمال مرغی کا ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک درویش تھے ان کے تکیے میں مرغیاں بہت تھیں اس سال درویش نے تمام فقراء کو فی نفر ایک مرغی بخش دی۔ اس وقت فقیروں نے ان کو جمال مرغی خطاب دیا۔

تکیہ جان سرور صاحب :

جان سرور صاحب کہ ہمشیرہ زادۂ شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے مشہور ہیں تکیہ ان کا متصل تکیہ جمال مرغی ہے۔

حضرت شاہ اویسؒ :

حضرت اویس صاحبؒ باچہرہ نورانی مرد مرتاض صاحب سلوک سکنۂ پنجاب سے تھے مسجد میں پیر چنداصاحب کے سکونت پذیر تھے۔ بیشک کہ قطب وقت تھے۔ اور صاحب خرق عادت تھے راقم کا ورود معہ برادر سید محمود حسین کے عالم غیب سے عرصہ عالم شہود میں انہیں بزرگ کی دعا سے ہوا ہے۔ یعنی آپ نے زبان مبارک سے بشارت دو فرزندوں کی والد ماجد کو دیے تھے چونکہ والد کو اکثر دختران ہوئیں تھیں اور پسر نہیں ہوتا تھا تو بزرگوار ممدوح نے فرمائے تھے کہ تم کو دو فرزند خدائے تعالی عنایت فرماویگا اور دو کلیاں گل یاسمین شیخ میرن کے ہاتھ سے والدہ صاحبہ کے پاس بھیج

تھے کہ اس کو نوش جان کر لے دیں۔ غرضکہ وہ بزرگ ۱۲۵۹ھ میں بماہِ شوال رحلت فرمائے۔

مراد شاہ۔ شاہ بدرالدین۔ کوچک شاہ :

مراد شاہ اور شاہ بدرالدین درویش باکمال تھے ان کے تکیے اشرف پورہ میں ہیں کوچک شاہ صاحب مشائخ اولاد محبوب سے مرقدان کے پائین درگاہ شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے نصف میل کے فاصلے پر کنارہ بچھن ندی کی ایک ٹیکری پر واقع ہے۔ سلسلہ راقم آثم کا یوں ہے کہ سید عبدالملک صاحب جد اعلیٰ راقم کے ۳۹۲ ہجری میں ہمراہِ شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کی غزنی سے یہاں آئے تھے جب مسجد جامع بلدۂ اِلچ پور میں زمانہ غیاث الدین تغلق میں عمادالملک مشیر سر تیز ترکمان نے تعمیر کیا خدمت موذنی مسجد مذکور کی بزرگانِ راقم کو عطا ہوئی بعد انقراضِ زمانہ کثیر کے عہد میں شاہ جہانگیر بادشاہ کے حسب سِند بادشاہ ممدوح کے خدمت حافظ مذکور پر سید عبدالجلیل متمکن ہوئے اور خدمتِ خطابت مسجدِ مذکور کی بطرفِ خطیب محمد مراد کے تھی ان کے بعد سید عنایت اللہ خطیب ہوئے اور انکے بعد سید برخوردار خطیب ہوئے۔ سید برخوردار بہ سبب نہ ہونے اولاد کے خدمتِ مذکور پر اپنے داماد سید عبدالجلیل کو مقرر کئے اور سندِ بادشاہی حاصل کروائے چنانچہ حافظ سید عبدالجلیل نصف خدمت موذنی اور کل خطابت پر قابض رہے حافظ سید عبدالجلیل کو سید محمد خلیل فرزند ہوئے۔ سید محمد خلیل نے اپنی دختر سید محمد صاحب برادر زادہ اپنے کو منسوب کر دیئے جب اولاد سید محمد خلیل کی صغر سنی میں وفات ہوئی تو ضعف بدن اور کبر سن کے سبب خدمت خطابت پر سید محمد صاحب کو قائم کر کے سرکار سے سند حاصل کروائے حالِ راقم اس شجرہ سے ظاہر

ہے۔

سید محمد صاحب خطیب جد اس راقم کے سید غلام رسول صاحب کے کہ وہ قاضی قصبہ ریدہ پورو کرج گاؤں کے کہ ولی زمانہ تارکُ الدّنیا تھے اور علم سلوک حاصل کیے تھے۔ درویش صفت رہے مگر تبدیل لباس نہیں کیے۔ انتقال آپ کا ۱۲۲۴ھ میں ہوا اور والد ماجد راقم کے حافظ سید اشرف صاحب شاہ ابراہیم صاحب قادری خلیفہ حضرت سید عمر محضار قادری کے کہ خانقاہ ان کے شہر سرنگ پٹن میں ہے بیعت کئے اور علوم سلوک حاصل کیے پھر ۱۲۴۰ھ میں سید نذر حسین صاحب خلیفہ سید علی محمد ثانی سید عمر محضار قادری کے تشریف لائے اور نعمتِ خاندانِ شطاریہ سے بھی سرفراز کرکے دونوں طریقوں میں خلافت عطا فرمائے۔ پھر ۱۲۴۸ھ میں محمد شاہ خلیفہ رفاعی شہر سورت سے تشریف لائے اور خاندان احمدیہ سے بھی نعمت عطا فرماکر خلافت سرفراز کیے اور سند و شاخ مرحمت فرمائے اور اجازت جمیع ضربات اور سرتراشی واکل زہر وغیرہ کی دیئے اور راقم الحروف بعد انتقال والد مرحوم کے حضرت شاہ منیر اللہ قادری سے کہ ماموں بھی راقم کے ہیں ۱۲۷۹ھ میں خاندان قادریہ میں بیعت ہوا۔ حضرت ممدوح نے خلافت سے بھی سرفراز فرمائے راقم مرید حضرت محمد منیر اللہ قادری کا، وہ مرید اپنے والد حافظ مولوی حاجی شاہ حفیظ اللہ قادری کے اور وہ سید عماد الدین شاہ میر محمد فضل اللہ کے، بعد چند واسطوں کے شیخ عبدالقدوس اسماعیل الگنگوہی کو یہ سلسلہ پہنچتا ہے۔

عبداللہ میاںؒ:

تسوید کتاب ہذا کے عہد میں اس شہر میں عبداللہ میاں مجذوب باحیات تھے

اکثر برہمنان اور ہندوانکے معتقد راستوں پر پڑے رہتے۔ ایک روز عرابہ (بیل گاڑی) پُربار کا چاک آپ پر سے چلا گیا آپ کو ضرر نہ پہنچا عرابچی لرز گیا دیکھا تو صحیح سلامت ہیں ان کا انتقال ۶/ جمادی الاخرِ ۱۲۸۷ھ میں ہوا۔ انکے جنازے میں ہزارہا ہندو بھی شامل تھے بلکہ کاندھا بھی دیتے تھے۔ ان کو بلند پورہ میں مدفون کیے آپ سیہ فام تھے۔ جس وقت قبر میں ان کا منھ کھولا گیا چہرہ گورا نظر آیا۔ راقم الحروف نے بھی بچشم خود دیکھا۔ برہمن لوگ ان کا عرس شمسی ہندوی ماہ آسوی جیون پورہ کی جاترا کے بعد کرتے ہیں۔

قاریانِ اچل پور

کرنل مرزا بسم اللہ بیگ

(تذکرۂ قاریانِ ھند سے ماخوذ)

قاری حاجی شیخ عبداللہؒ:

قطب خان شہر مانڈو میں دارالضرب کے داروغہ تھے۔ اُنکے فرزند شاہ عبداللہ عرف بھکاجی قادری، عالم وفاضل اور فقیہِ کامل تھے۔ وطن سے حج کیلئے گئے ایک سال مکۂ معظمہ میں قیام کر کے مدینۂ منورہ چلے گئے وہاں تجوید و قرأت کی بھی تکمیل کی وہاں سے ہر سال مکۂ معظمہ میں حج کیلئے آجاتے اس طرح اکیس حج ادا کئے وہاں سے حسبِ ایماءِ حضور اکرم ﷺ شاہ جہاں کے زمانے میں برہان پور آئے شاہ فضل اللہ کی خدمت میں رہ کر ان سے بیعت کی۔ پھر آپ برہان پور سے اچل پور آئے جہاں عوام کے اصرار پر سکونت پذیر ہوئے۔ شیخ زین تاجر بیجاپوری کی دختر سے نکاح کیا۔ شہنشاہ عالمگیر نے موضع قاصد پورہ بطورِ انعام دیا۔

آپ کی اولاد میں دو فرزند اور ایک دختر تھیں فرزند اول عبداللہ اور فرزند دوم عبدالقادر تھے۔ لڑکی کا عقد عارف کامل قاری حافظ شیخ حسین سے کیا۔ اس طرح تجوید و قرأت کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ اس خاندان میں عرصے تک رہا۔ شیخ عبدالقادر کے کئی فرزند تھے ان میں دو مشہور ہوئے شیخ عبدالرسول اور شکراللہ۔ ایک لڑکی بی بی مکھن تھیں جو بڑی اچھی قاریہ وحافظہ تھیں۔ شاہ عبداللہ کا انتقال ۱۰۸۵ء میں ہوا۔ اچل پور کی ایک گنبد میں دفن ہیں، مزار مرجع خلائق ہے۔

حافظ و قاری مُلّا اسمٰعیلؒ :

ملا محمد اسمٰعیل مدرسۂ عماد شاہی کے ایک بابرکت بزرگ تھے۔آپ جید قاری اور بے مثل حافظ تھے۔ مشہور تھا کہ جو بزرگ آپ سے پڑھتا وہ جید حافظ و قاری ہوتا۔ صاحبِ تذکرہ اولیائے سندھ آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں :

"تعلیمِ قرآن پاک کا فیض پھیلانے میں اُس عہد میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔"

شیخ عیسیٰ جند اللہ کو نو سال کی عمر میں اچھا قاری و حافظ بنا دیا۔آپ نے مدرسہ عماد شاہی کی خدمت ۹۶۰ھ سے ۹۸۱ھ تک کی۔[۱]

قاری حافظ محمد حسن :

آپ کا وطن اچل پور اور سن پیدائش تقریباً ۱۰۱۵ھ ہے۔ علوم عربی و فارسی و قرأت میں امتیازی درجہ کے حامل تھے۔ خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ حفظ کی بھی تکمیل کی تھی۔آپ نے ایک ممتاز شاگردہ بی بی مکھن کو حفظ و قرأت نیز عربی و فارسی کی تعلیم دی۔ بی بی مکھن شیخ عبدالقادر کی دختر تھیں۔اُن کے علاوہ اور شاگرد بھی ہوئے۔ قاری صاحب کا انتقال تقریباً ۱۰۹۰ھ میں ہوا اور شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے گنبد کے پاس دفن ہوئے۔[۲]

قاری سید مجیب اللہ :

سید مجیب اللہ کا مولد اچل پور ہے۔ والد کا نام سید منیب اللہ بن سید

عنایت اللہ بالاپوری نقشبندی تھا۔ سید منیب اللہ کی شادی بی بی مکھن کی بھتیجی سے اچل پور میں ہوئی۔ ۱۱۱۶ھ میں سید مجیب اللہ پیدا ہوئے اس وقت دادا زندہ تھے۔ اچل پور میں بی بی مکھن کی زیر نگرانی پرورش و تربیت پائی۔ والد سے اور پھر بی بی مکھن سے تجوید و قرأت و دیگر علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ والد کے ساتھ اورنگ آباد ۱۱۴۱ھ میں گئے۔ اورنگ آباد میں شاہ لطف اللہ بن شاہ عطا اللہ نقشبندی اورنگ آبادیؒ کی دختر سے شادی ہوئی مگر ایک برس کے بعد زوجہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اورنگ آباد ہی میں قیام رہا۔ اپنا سارا وقت درس و تدریس کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ۲؍ ربیع الاول ۱۱۵۶ھ کو انتقال ہوا، اورنگ آباد میں دفن ہوئے۔

قاریہ حافظہ بی بی مکھنؒ :

بی بی مکھن بنت عبدالقادر ابن شاہ عبداللہؒ عرف بھکاجی اچل پور میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئیں۔ چونکہ دادا اور والد دونوں عالم و فاضل و سلسلۂ قادریہ کے چشم و چراغ تھے، بی بی مکھن کو بھی حصولِ علم کا شوق ہوا۔ وقت کے ایک ممتاز قاری و حافظ سید حسین سے جملہ علوم کی تحصیل کی۔ حفظ و قرأت کی تکمیل کے بعد عربی و فارسی اور حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ رات دن تلاوت میں مصروف رہتیں۔ آپ صائم الدہر قائم اللیل عابدہ و زاہدہ تھیں۔ چونکہ خوش الحان تھیں قرأت میں دل آویزی تھی۔ تہجد و اشراق کی پابند تھیں۔

خاوند کے انتقال کے بعد نو باغ کی مالکہ ہوئیں جس کی خاصی آمدنی تھی۔ آپ نے بھائی شکر اللہ کی لڑکی کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ بی بی مکھن بڑی فریس اور سمجھدار خاتون تھیں، اس لڑکی کی تعلیم کا بڑا اہتمام کیا۔ جب یہ سنِ شعور کو پہنچی تو شاہ عنایت

اللہ بالا پوری کو خط لکھا کہ میں نے ایک یتیم لڑکی بہ احسن الوجود پرورش کی ہے آپ بھی اُس لڑکی کی زندگی سنوارنے میں اس طرح مدد فرمائیں کہ اپنے لڑکے منیب اللہ سے اس کا عقد کر دیں۔ اور منیب اللہ کو یہ اجازت بھی ہو کہ میری جاگیر کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں لیں۔ شاہ عنایت اللہ صاحب راضی ہو گئے اور یہ رشتہ قائم ہو گیا۔

بی بی مکھن کے پاس چالیس خادمائیں تھیں ان کو بھی نماز روزہ کا پابند بنا دیا تھا۔ بی بی مکھن ان خادماؤں کے ساتھ اپنے گھر میں پنج وقتہ نماز با جماعت ادا کرتیں۔ ماہ صیام میں با جماعت تراویح میں قرآن مجید ختم کرتیں۔

بعض وقت فرطِ محبت سے خادماؤں سے کہتیں، "دیکھو ری اگر خداوند کریم نے مجھے بخش دیا تو تاوقتیکہ تم سب جنت میں داخل نہ ہوں جنت میں قدم نہیں رکھوں گی۔" یہ سب خادمائیں روزانہ تلاوت کی عادی تھیں گھر میں ہر طرف قرآن شریف کی آواز سنائی دیتی۔

قاری منیب اللہ کو تین فرزند ہوئے، سید مجیب اللہ، محمد قمر الدین اور سید شمس الدین۔ بی بی مکھن نے تینوں کی تعلیم و تربیت نیز تجوید و قرأت سکھلانے میں بڑی کوشش کی چنانچہ یہ تینوں اونچے درجے کے عالم و قاری و متقی ہوئے۔ بی بی مکھن کی عمر ۸۵ سال کی ہوئی۔ ۵۰ سال صائم الدہر اور قائم اللیل تلاوت و اوراد میں صرف کیے۔ حسب وصیت وفات کے بعد اپنے استاد قاری شیخ حسن و قاری حافظ شیخ حسین کے پاس دفن کی گئیں۔

تاریخِ وفات ۶/ صفر ۱۱۴۰ھ روز یکشنبہ ہے۔ وفات سے قریب بی بی فاطمہؓ کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہی تھیں :

"میرے پاس آؤ اور میرے دامن پر نماز ادا کرو۔"[۳۰]

قاری سید شمس الدین بالاپوریؒ:

قاری سید شمس الدین کا مولد اچل پور تھا۔ والد کا نام سید منیب اللہ بن سید عنایت اللہ اور سنِ ولادت ۱۱۲۸ھ ہے۔ بی بی مکھن سے تجوید و قرأت و کتب درسیہ کی تعلیم حاصل کی۔ حصولِ علم میں والد سے استفادہ کیا فنِ قرأت کی تکمیل قاری ملا محمد سے کی۔ اچل پور سے بالاپور جاکر خاندان کے بزرگوں سے استفادہ کیا۔ بالاپور سے والد کے ساتھ ۱۱۴۱ھ میں اورنگ آباد آئے یہاں بھی درس و تدریس میں لگے رہے بہ عمر ۴۴ سال ۱۱۷۲ھ میں انتقال ہوا اور بھڑکل کے قریب خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ ۴

مراجع و مصادر

۱۔ مرزا بسم اللہ بیگ۔ تذکرۂ قاریانِ ھند (حیدرآباد، ۱۹۷۰ء) ص ۱۶۱
۲۔ سید نور المقتدیٰ۔ نور العنایات المعروف بہ تذکرۂ پاک (قلمی نسخہ) ص ۱۹۱
۳۔ عبد الجبار ملکاپوری۔ تذکرۂ اولیاء دکن۔ ص ۲۱۳
۴۔ محمد مطیع اللہ راشد۔ تذکرۂ اولیاءِ سندھ (کراچی، ۱۹۵۷ء۔ طباعت اول) ص ۲۱۶

☆☆☆

خوش نویسانِ اچل پور

خواجہ ربّانی

عہدِ وسطیٰ کا اچل پور بہمنی سلاطین کے دور میں سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اس کے بعد عماد شاہی سلاطین کے دورِ اقتدار میں یہ شہر سلطنت برار کا پایۂ تخت رہا کچھ عرصے تک نظام شاہی سلطانوں کے زیرِ انتظام رہنے کے بعد مغلیہ دورِ حکومت میں شہر اچل پور دوبارہ اہمیت کا حامل اور سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔

اس شہر میں تاریخی عمارتیں، شہر پناہ اور اسکے دروازے، مساجد، مقبرے، رہائشی محلات اور دیگر تعمیرات کے علاوہ ثقافتی اور ادبی آثار کا بیش قیمت اثاثہ آج بھی موجود ہے چنانچہ ان باقیات پر نظر ڈالنے پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس شہر کی ان ثقافتی اور ادبی رونقوں میں خطاطوں اور خوش نویسوں کا بھی بہت اہم حصہ رہا ہے۔ برار کی سلطنت کے پایۂ تخت اس شہر میں جہاں اولیاء امراء شعراء اور ادباء اور دیگر فن کاروں کا وجود تاریخ کے صفحات پر مذکور ہے۔ وہیں کچھ نامور خطاط اور خوش نویسوں کا تذکرہ بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ ان ہی فن کاروں کا قلم تھا جس نے دورِ گذشتہ کی ثقافت کے مرقعے قرطاس پر رقم کرر کھے ہیں۔

یہ بات منطقی اعتبار سے بھی بہت قابلِ قبول لگتی ہے کہ شہر اچل پور کی عمارات پر تاریخی کتبات نصب ہیں۔ یہاں کے دار الضرب میں سکوں کی ڈھلائی ہوتی رہی ہے۔ یہاں تعلیم و تدریس کے مراکز رہے ہیں۔ جہاں علماء اور صوفیاء نے

رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ تصنیف اور تالیف کی اہم خدمات انجام دیں اور شعراء اور ادباء نے اپنی تخلیقات بیاضوں میں محفوظ کر دیں۔ یہ تمام کام ماہر خطّاطوں اور خوشنویسوں کی موجودگی کے بغیر کیسے ممکن تھے؟ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اچل پور کی تاریخی اور ثقافتی زندگی کی جھلکیاں رقم کرنے میں یہاں بسنے والے خطّاطوں اور خوش نویس حضرات کا اہم حصہ ہے۔

یہاں کے آثار میں سے نوکِ قلم کے جواہرات کے طور پر کچھ باقیات ہم تک پہنچی ہیں ظاہر ہے یہ نوادر اُن ماہرینِ فن کی مکمل تصویر نہیں کہے جا سکتے۔ اس سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

اگر ہم پتھروں پر کندہ کتبات سے اپنی بات شروع کریں تو بہمنی دور کے سلطان 'احمد شاہ ثانی (۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ) کے اُس کتبے کا ذکر آئے گا جو بہترین خطِ نسخ میں تحریر کردہ ہے اور جیون پورہ کے دروازے پر اُلٹا نصب ہو گیا ہے اس کتبے کا خطّاط اچل پور کے اولین خطّاطوں میں شمار کیا جائیگا۔ بد قسمتی سے کتبے کے متن میں اس فن کار کا نام درج نہیں ہے[۱]۔ یہی کیفیت سلاطین عماد شاہیہ کی قبروں کے تعویذوں پر قرآنی صورتیں تحریر کرنے والے خطّاط کی بھی ہے کہ اتنے خوبصورت اور مزیّن خطِ ثُلث کا خالق آج بھی گمنام ہے۔ اسی طرح درگاہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے احاطے میں صفدر خاں سیستانی کے مزار کے قریب قاضی میر عبدالحق کی لوحِ مزار خطِ نستعلیق کا بہترین نمونہ ہے۔ زمانے کے اعتبار سے مغل شہنشاہ اکبر کے عہد کے اس فارسی کتبے میں بھی خطّاط کا نام موجود نہیں ہے[۲]۔ یہ اس دور کے فنکاروں کی

منکسر المزاجی اور پردۂ خفا میں رہنے کی خواہش تھی کہ انھوں نے اپنے فن پاروں کے ساتھ نام نہیں لکھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان خوش نویسوں کو یہ اندازہ نہ رہا ہو کہ برار کے لوگ خوبیدار سہی لیکن اس قدر بھی سلف فراموش نہیں کہ ان فن پاروں کے خالقوں کو یاد نہ رکھیں گے۔ بہر حال اس مضمون کے ذریعہ کچھ ایسے خوش نویسوں کا ذکر مقصود ہے جن کے فن پاروں کے ساتھ ان کے نام یا حیات کے کچھ گوشوں تک رسائی ہو سکتی ہے۔

اچل پور میں خطاطی کے کسی نمونے کے ساتھ تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے جس خطاط کا نام ہمیں ملتا ہے وہ ہے محمد ہاشم۔ خطِ ثلث میں لکھا ہوا خطاطی کا یہ شاہ کار فارسی نظم میں لکھا ایک کتبہ ہے جو صوری اعتبار سے اچل پور کا سب سے خوبصورت کتبہ ہے اور جامع مسجد کے صدر دروازے پر نصب ہے۔ ۱۰۸۰ھ کے اس کتبے کے متن سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد ہاشم مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد کا خطاط تھا [۳]۔ جامع مسجد اچل پور کی مرمت اور بعد میں اس کی پاسبانی 'امامت' خطابت اور قضایت کے جو فرامین جاری کئے گئے وہ بھی شہنشاہ اورنگ زیب کے دفتر انشاء کے کسی واقعہ نویس کے ہاتھوں لکھے گئے ہوں گے یا کسی درباری خطاط کے ہاتھوں (اورنگ زیب کے عہد میں ناندگاؤں پیٹھ کے عہدۂ قضاۃ پر تقرری کا ایک فرمان مستعد خان عرف ساقی خان کا لکھا ہوا آج بھی میرے پاس محفوظ ہے)۔ لیکن دیگر فرامین اور اسناد کی ضمن (فرمان کی پشت پر اندراجِ دفتر) میں وثوق کے ساتھ 'تحریر کرنے والے کا ذکر یا خطاط کا نام موجود نہیں پایا جاتا جو کہ اپنی جگہ ایک معتبر ماخذ ہو سکتے تھے۔

اچل پور کے دو کتبات اور ایسے ہیں جن میں دو مختلف خطاطوں کا ذکر ہے ان کی تفصیل آگے کی سطور میں موجود ہے۔

خوش نویسوں کی حیات اور خدمات پر روشنی ڈالنے والے دیگر مآخذ وہ مخطوطات ہیں جو آج بھی خطیبیہ لائبریری اچل پور میں محفوظ ہیں۔ بنیادی طور پر عماد شاہی دور کے وزیر نقال خاں کے مدرسے سے منسلک کتب خانے کے ان ۱۱۲ نادر و نایاب مخطوطات کی ایک وضاحتی فہرست استاذی ڈاکٹر سید عبدالرحیم نے بڑی محنت سے تیار کی ہے [۴]۔ ان میں کچھ کتابیں وہ بھی ہیں جو اچل پور میں تصنیف یا نقل ہوئیں۔ ان کے ترقیموں میں انہیں تحریر کرنے والے خطاطوں کے نام درج ہیں۔ ساتھ ہی تحریر کی تاریخیں بھی خطاطوں کی سوانح حیات کی ترتیب میں بہت اہم ہیں۔ ان مخطوطات کی تحریر کا زمانہ سلطنت اور مغلیہ عہد کا زمانہ ہے۔

جامع مسجد اچل پور کے ان مخطوطات میں امام غزالی کی تصنیف المقصد الاقصیٰ بھی ہے۔ اس تعلق سے اہم بات یہ ہے کہ اس مخطوطے کی کتابت بخطِ نستعلیق ۱۱۹۰ء میں بمقام اچل پور ہوئی ہے جس کے کاتب تھے محمد شریف الحسینی القادری۔ محمد شفیع ابن احمد کی تصنیف کردہ ایک کتاب التحفۃ الکبریٰ بھی اسی سال تحریر کی گئی اور اسے بھی محمد شریف نے خطِ نسخ میں لکھا ہے۔ ان دونوں نسخوں سے پتہ چلتا ہے کہ محمد شریف الحسینی القادری نام کے ایک ماہر خطّاط جو نسخ اور نستعلیق دونوں خطوط پر یکساں مہارت رکھتے تھے اچل پور میں مقیم تھے اور یہیں انھوں نے ان دونوں نسخوں کی کتابت کی۔ افسوس کے محمد شریف کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا [۵]۔

ان مخطوطات میں ایک اہم نسخہ حضرت شاہ غلام حسین چشتیؒ کے اردو دیوان کا بھی ہے جو خود حضرت کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا ہے۔ امجد حسین خطیب نے تاریخِ امجدی میں حضرت کے مرتبۂ ولایت کے ساتھ ساتھ آپ کے پاکیزہ خط کا

خصوصیت سے ذکر کیا ہے شاہ صاحبؒ خطِ نستعلیق بہت پختہ اور خوش نما لکھتے تھے اور خطِ شکستہ بھی بہت اچھا تحریر کرتے تھے۔ دیوان کے مخطوطے کے ساتھ خود شاہ غلام حسین چشتیؒ کا تحریر کردہ ایک خلافت نامہ بھی ہے جس پر آپ کے دستخط ثبت ہیں۔ حال ہی میں شائع شدہ دیوانِ حسین میں حضرت کا عکسِ تحریر دیکھا جا سکتا ہے۔ دیوانِ اردو کے مخطوطے کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے مکاتیب بھی ہیں جو فارسی نثری ادب اور خوش نویسی دونوں کا نادر نمونہ ہیں۔ امجد حسین خطیب نے شاہ صاحب کو خطّاطِ خوش قلم لکھا ہے[۶]۔

جامع مسجد کے مخطوطات کی روشنی میں ایک اور ماہر خطاط شہامت خان کا نام سامنے آتا ہے۔ شہامت خاں حافظِ قرآن بھی تھے اور پیر چندا کی مسجد میں امام کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے۔ مذکورہ کتب خانے میں آپ کے کتابت شدہ چار مخطوطے موجود ہیں جن کی کتابت ۱۱۹۵ھ سے ۱۱۹۹ھ کے درمیان ہوئی۔ شہامت خاں خطِ نستعلیق کے ماہر خطّاط گذرے ہیں۔

دیگر خوش نویسوں میں غلام اعظم اور سید عبدالقادر حقانی کا خصوصی ذکر تاریخِ امجدی میں موجود ہے۔ انکی حیات اور خدمات پر زیادہ مواد نہیں مل سکا ہے۔ ایک ماہر فن خطاط سید جلال بن موسیٰ مہدوی اچل پور میں گذرے ہیں جنھوں نے موسوی مہدوی کے مجموعۂ کلام روضۂ واصلین کی کتابت کی جس کی تاریخ تکمیل ۱۲۴۴ھ ہے۔ یہ مخطوطہ خوبن میاں صاحب مقیم اشرف پورہ کے پاس محفوظ ہے[۷]۔

اچل پور کے ان غیر مسلم خطّاطوں میں، جنھیں غیر معمولی شہرت اور مقام حاصل ہوا، رائے ہیرالعل کا نام سرِ فہرست ہے۔ رائے ہیرالعل نواب نامدار خاں پنی کے دربار میں میر منشی تھے جنھوں نے نواب کے حکم سے کلیلہ ودمنہ کا ایک نسخہ

بھی نقل کیا تھا۔ رائے ہیرا لعل نستعلیق کے ماہر تھے جس کے ثبوت کے طور پر ان کا تحریر کردہ ایک کتبہ آج بھی درگاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے احاطے میں ایک مسجد کی پیشانی پر موجود ہے۔ ہیرا لعل نے اچل پور ہی میں نام پیدا نہیں کیا بلکہ یہاں سے ہجرت کر کے ریاست بھوپال میں نوابِ بھوپال کی ملازمت اختیار کی اور بڑا نام اور اعزاز و اکرام حاصل کیا۔

خوش نویسوں میں نواز خاں غرئی زئی کا نام بھی ملتا ہے جو اپنے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان ہی کے ہم عصر ایک اور خوش نویس اچل پور میں گزرے ہیں جن کا نام تھا منشی ابراھیم۔ افسوس کہ نواز خان اور منشی ابراہیم کی حیات اور خدمات کے سلسلے میں زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں۔

کلام پاک کی کتابت اور طغریٰ نویسی کے میدان میں حافظ داراب خان کا نام بڑی شہرت کا حامل تھا۔ حافظ موصوف، حیات خان کے فرزند تھے اور آپ کا کمال یہ تھا کہ صرف تیس صفحات میں پورا کلام پاک نسخ جلی میں مع اعراب تحریر فرمایا تھا۔ آپ مسور کی دال پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ مکمل سورۂ اخلاص مع اعراب بہت خوبی سے لکھتے تھے۔ امجد حسین خطیب نے موصوف کے فن کا ذکر اپنی کتاب میں خصوصیت سے کیا ہے۔

ایک اور غیر مسلم خطّاط منشی حشمت رائے نے اچل پور میں بہت شہرت پائی۔ حشمت رائے ایک ماہر خطّاط ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو کے اچھے شاعر بھی تھے اور جانثار تخلص کرتے تھے۔ حشمت رائے بھی نواب نامدار خاں پنّی کے عہد میں ہوئے اور رائے ہیرا لعل کے بھوپال چلے جانے کے بعد نواب کی ملازمت میں آئے اور میر منشی مقرر ہوئے۔ نامدار باغ کا کتبہ ان ہی کا تحریر کردہ ہے۔

جامع مسجد کے مخطوطات میں شیخ سعدی کی گلستان کا بھی ایک نسخہ محفوظ ہے جس کی کتابت شہر اچل پور میں ۱۲۷۶ھ میں ہوئی۔ اس کے کاتب ایک غیر مسلم خطاط بہاری لعل کایست ہیں جو خطِ نستعلیق بہت خوبی سے لکھتے تھے۔ مذکورہ کتب خانے میں سکندر نامہ کے کئی نسخے موجود ہیں ان میں سے ایک نسخہ ۱۲۲۹ھ کا تکمیل شدہ ہے جس کے کاتب ایک غیر مسلم خوش نویس رائے بہادر ہیں۔ رائے بہادر خطِ نستعلیق بہت عمدہ لکھتے تھے۔ غیر مسلم خطاطوں کے تذکرے میں ہمیں ایک اور نام اودیت چند کا بھی ملتا ہے جس کی توثیق دیوانِ غنی کشمیری کے نسخے سے ہوتی ہے جو ذخیرۂ مخطوطات میں شامل ہے۔ یہ نسخہ عہد محمد شاہی کے ۲۵ ویں سال (۱۱۹۵ھ) میں مکمل ہوا۔ اودیت چند بھی دیگر غیر مسلم خطاطوں کی طرح خطِ نستعلیق میں مہارت رکھتے تھے۔

مخطوطات کے اس مذکورہ ذخیرے میں ایک نسخہ عبرت النّاظرین کے نام سے بھی موجود ہے جو دراصل مہدویوں کے سوانحِ زندگی پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب سید زین العابدین کی تصنیف کردہ ہے اور اس کے کاتب سید میران جی عرف سیدو میاں نے اسے ۱۲۴۳ھ میں تحریر کیا۔ خطِ نستعلیق میں تحریر شدہ کتاب غالباً اچل پور میں قلم بند ہوئی ہے۔ اس نسخے کی موجودگی سے ایک اور خوش نویس سید میران جی عرف سیدو میاں کا نام روشنی میں آیا ہے۔ اسی طرح ان مخطوطات میں موجود شیخ سعدی کی بوستان کے ایک نسخے کی کتابت ۱۲۵۰ھ میں مکمل ہوئی اس کے کاتب ہیں سید نعمان ملک ابن خضر خان جو اچل پور کے باشندے تھے اور خطِ شکستہ بہت خوبصورت لکھتے تھے۔

دورِ متاخرین میں فارسی اور اردو کے مشہور نثر نگار اور شاعر سید امجد حسین خطیبؔ خود اپنی جگہ ایک اچھے خوش نویس گذرے ہیں۔ آپکے تحریر کردہ مخطوطات

میں قابلِ ذکر خود آپ ہی کی تصنیف تاریخِ امجدی (فارسی) ہے جسکی ایک نقل استاذی ڈاکٹر سید عبدالرحیم کے پاس محفوظ ہے۔ جامع مسجد کے کتب خانے میں مزید تین مخطوطے خطیب صاحب کے تحریر کردہ موجود ہیں۔ ایک شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی مشہور کتاب تحفۂ اثنا عشریہ دوسری ابو شکور سالمی کی کتاب قدوۃ المتکلمین اور تیسری رجب علی بیگ سرورؔ کی فسانۂ عجائب یہ سب نسخے خطِ نستعلیق میں لکھے گئے ہیں۔ خطیب صاحب نستعلیق بہت پختہ اور خوبصورت لکھتے تھے اور درمیان میں قرآنی آیات اور احادیث خطِ نسخ میں بہت خوبی سے پیوست کرتے تھے۔

اچل پور کے آخری دور کے خوش نویسوں اور خطاطوں میں شیخ مراد خطاط اور نوری میاں کا نام بھی لیا جاتا ہے جو سید حنیف الدین، قاضیٔ شہر اچل پور (م ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء) کے ہم عصر تھے۔ ان میں نوری میاں محلّہ اشرف پورہ کے باسی تھے۔ یہ معلومات موجود قاضیٔ شہر اور سید حنیف الدین کے پوتے سید غیاث الدین نے فراہم کی ہے۔

گزشتہ سطور میں جن خوش نویسوں کا ذکر ہوا ہے انکے علاوہ کچھ ایسے ماہرِ فن خطاط یقیناً اچل پور میں رہے ہونگے جن کا ذکر براہِ راست یا بالواسطہ کسی تذکرے، طغرے کتبے یا مخطوطے کے ترقیمے میں نہیں مل سکا ہے کیونکہ وسائل اور ہمیں دستیاب مآخذ وغیرہ کی بہر حال حدود ہوتی ہیں۔ اِس زُمرے میں وہ خوش نویس بھی خصوصیت سے شامل ہیں جو اچل پور کے دارالضرب میں کسی ٹکسالی (Mint Master) کے ماتحت کے طور پر سکوں کے سانچے (Die) بنانے میں نسخ اور نستعلیق خطوط معکوس طریقے پر تحریر کرنے کا فن جانتے تھے تاکہ یہ معکوس تحریر ایک خاص گہرائی سے کندہ ہوکر سکوں کی ڈھلائی کے وقت صحیح تحریر سکوں پر ابھار سکے۔ مغل دور میں شہنشاہ اکبر سے

شاہ عالم ثانی تک ہی نہیں بلکہ نواب نامدار خان پنی کے زمانے تک کے سکّوں پر تحریریں بہت خوبصورت خط میں ایک منظم طریقے (Layout) کے ساتھ مرتب (Arrange)) کی ہوئی ملتی ہیں۔ سکّوں کی تیاری میں اتنی اہم خدمت انجام دینے والوں کا کسی تذکرے میں ذکر تو نہیں ملتا لیکن وہ ماہر خوش نویس ایک گذرتے ہوئے حوالے کے بھی حق دار نہ ہو سکیں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہی بات مُہر کَن (Seal Maker) کے ساتھ مصروفِ کارانَ خطّاطوں کے سلسلے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ جنھوں نے اچل پور میں رہنے بسنے والے حکمرانوں اور امراء کے نام کی مُہروں میں آنے والے ناموں، عہدوں اور القاب کی سجع کو کمالِ خوبصورتی سے کبھی دو منزلہ کبھی سہ منزلہ مختلف ہندسی شکلوں (دائری ، مربع ، ہشت پہلو وغیرہ) میں ترتیب دے کر معکوس طرز پر تحریر کیا تاکہ مُہر کَن انھیں مخصوص گہرائی کے ساتھ کندہ کر سکے اور مہر کا صحیح نشان دستاویزات 'فرامین 'اسناد اور خطوط ورقعات پر ابھر سکے۔ شہر اچل پور کے باکمال خطاط وہ بھی ہو گذرے ہے جن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلیاں اور طغرے مسجدوں اور قدیم مکانوں میں آج بھی ملتے ہیں۔

اچل پور کے نام ور اور گمنام خوش نویسوں نے اپنی جگہ اس فن کی اہم خدمت انجام دی ہیں۔ یہ خدمت اچل پور کی ثقافتی تارخ کا اہم باب ہے۔

چہ نادانی کہ فنِ خوش نویسی سہل می دانم
کمالِ کسب باید ایں ہمہ جدّت طرازی را

مراجع ومصادر

۱۔ اینول رپورٹ آن انڈین ایی گرافی برائے سال ۹۶۔۱۹۹۵ نمبر ۴۸

۲۔ ایضاً ۶۰۔۱۹۵۹ نمبر ۶۲، ہیرالال۔انسکرپشنز ان دی سنٹرل پراونسز اینڈ بیرار (ناگپور۔۱۹۳۲) ص ۱۴۴

۳۔ ایضاً ۶۵۔۱۹۶۴ نمبر ۹۹، ہیرالال۔ایضاً ص ۱۴۳

۴۔ محمد غوثی شطاری۔گلزارِ ابرار (آگرہ ۱۹۰۸) ص ۴۲۷ نوائے ادب (ممبئی۔۱۹۹۱) شمارۂ اکتوبر

۵۔ سید عبدالرحیم۔کلمات (ناگپور ۱۹۹۵) ص ۳۱ تا ۴۴۔ جامع مسجد کے تمام مخطوطات کی تفصیل اس مضمون میں ہے۔

۶۔ امجد حسین خطیب۔تاریخِ امجدی (حیدر آباد۔ ۱۸۷۰) دیوان شاہ غلام حسین چشتی مرتبہ ڈاکٹر پروفیسر عبدالرحیم (کامٹی۔۱۹۹۸) بر صفحہ روبروئے فہرستِ مشمولات۔

۷۔ روضۂ واصلین (قلمی نسخہ) کے کاتب کے نام کی ترکیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً سیّد جلال، موسوی مہدوی کے بیٹے رہے ہونگے۔

☆☆☆

ادب
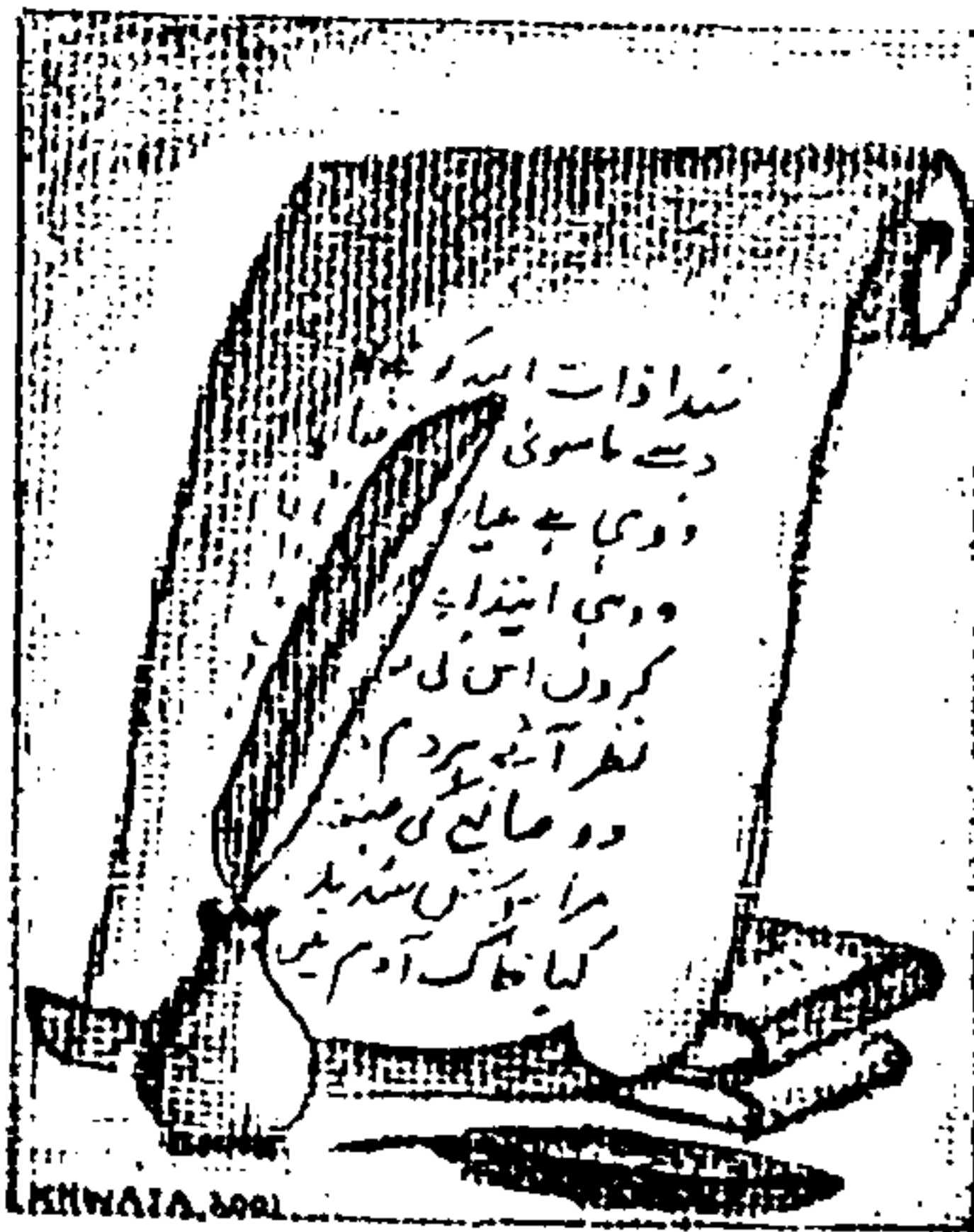
اچل پور کے قدیم شعراء

ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن

بلدۂ پُرنور شہر اچل پور جس قدر تاریخی اہمیت کا حامل ہے اُسی قدر لسانی اور ادبی اعتبار سے بھی اس کی حیثیت مُسلّم ہے۔ علاقۂ برار میں اردو زبان وادب کے فروغ میں اس شہر کا اہم رول رہا ہے۔

علاؤالدین خلجی کی آمد (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۰ء) محمد تغلق کا دولت آباد کو پایۂ تخت بنانا (۱۳۲۴ء) سلطنت بہمنیہ کی بنیاد (۱۳۴۷ء) اس کے بعد عماد شاہی، نظام شاہی اور مغلیہ سلطنتوں کا قیام۔ اچل پور ان سب حکومتوں اور علاقے کی تمام تر سیاسی اور ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ شمالی ہند اور دکن کی گزرگاہ اور صوفیاء، شعراء اور ادباء کی قیام گاہ بھی۔ ان تاریخی واقعات کے وقوع پذیر ہونے اور ان کے لسانی اثرات کے نتیجہ میں یہاں فارسی اور اردو کا رواج ہوا۔ اور یہ زبانیں رفتہ رفتہ بول، چال سے بڑھ کر ادبی سطح تک پہنچیں۔ اور ان میں تخلیقات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

۱۴۲۳ء میں ملا قطب الدین کرمانی اور شیخ آذری کی یہاں آمد کا بھی پتہ چلتا ہے۔ شیخ آذری نے قلعہ گاویل گڑھ کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔

دسویں صدی ہجری کے وسط میں سندھی علماء اور اولیاء کا ایک قافلہ سندھ سے سفر کرتا ہوا احمد آباد کے راستے سے اچل پور میں خیمہ زن ہوا۔ ان میں محدث محمد طاہر سندھیؒ کا خاندان پیش پیش تھا۔ محدث محمد طاہر سندھیؒ کے بھتیجے شیخ الاولیاء

حضرت عیسیٰ جنداللہؒ یہیں ۹۶۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بیس سال اچل پور میں رہ کر اپنے چچا کے ساتھ برہانپور چلے گئے۔ وہ عہدِ اکبری کے شطاری سلسلہ کے بڑے بزرگ گزرے ہیں ان کا مشہور دوہا ؎

جے ہر کوں بسراوے سبھی　　　　دنیا ناؤں اسی کا کہی

مولانا روم کے مشہور شعر ؎

چست دنیا از خدا عاقل بدن　　　　نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

کا ترجمہ ہے۔

مسیح الاولیاء کے چھوٹے بھائی شیخ سلیمان سیفی بھی ۹۶۶ھ میں اچل پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اسم گرامی تذکروں میں شیخ سلیمان سیفی سندھی البراری برہانپوری' لکھا ہے۔ وہ فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے سیفی تخلص کرتے تھے۔ ان کی رُباعیات ان کے برادر بزرگ مسیح الاولیاء حضرت شیخ عیسیٰ جنداللہؒ کی تالیف عین المعانی میں ملتی ہیں۔ یہاں ایک رباعی درج کی جاتی ہے ؎

سیفی نبود در نظر اہل یقیں　　　　ایں قصۂ عاشقیٔ خسرو شیریں
از خود شدہ ظاہر بلباس خسرو　　　　خود جلوہ کند ہم بلباس شیریں

خواجہ محمد دہدار فانیؔ :

اچل پور سے تعلق رکھنے والے سب سے پہلے شاعر خواجہ محمد دہدار فانیؔ کا نام تذکروں میں ملتا ہے۔ فانیؔ کی پیدائش ۱۵۴۱ء کے قریب شیراز میں ہوئی۔ وہ علی عادل شاہ اول کے دور حکومت ۱۵۵۷ء تا ۱۵۸۰ء میں بیجاپور آئے۔ یدِبیضاء اور تذکرہ شعراءِ دکن کے مطابق فانیؔ برہان نظام شاہ کے دورِ حکومت میں احمد نگر آگئے۔

۱۵۵۶ء میں جب بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے فانی کو برار کا صوبیدار مقرر کر دیا
۱۶۰۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔

فانی کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں اب تک ۷ ۳ تصنیفات کا پتہ چلا ہے
وہ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ لیکن ان کے دیوان کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوتا البتہ
متفرق اشعار اور رباعیات اردو فارسی کے مختلف تذکروں میں مل جاتی ہیں۔
تاریخ ادب اردو حصہ اوّل میں جمیل جالبی نے فانی کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ وہ
لکھتے ہیں کہ فانی بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے لیکن رواجِ زمانہ کے مطابق انھوں
نے اردو میں بھی اشعار کہے ہیں۔ ان کی اردو غزل کا مزاج بیجاپور کے مخصوص اسلوب
سے الگ ہے۔ مزاج اور اسلوب کے لحاظ سے فانی اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو
شروع ہی سے گولکنڈہ میں پھل پھول رہا تھا۔ جس کے ابتدائی نمائندہ شاعر قلی قطب
شاہ ہیں۔ آج ہم فانی کا مطالعہ جانم اور جگت گرو اور عبدل کے دور میں کرتے ہیں تو ان
کے ہاں جدید اسلوب اپنے نقش و نگار کے ساتھ ابھرتا دکھائی دیتا ہے اور ان کے کلام
کی حیثیت ایک جزیرے کی سی معلوم ہوتی ہے۔

اس وقت تک اردو غزل میں ہندوی روایات مروّج تھیں۔ فانی کا سب سے
بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اردو غزل کو اپنے ابتدائی دور میں فارسی روایات کے قریب
کر دیا۔

جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ فانی کا یہی وہ رنگِ ریختہ ہے جو شمال میں
اکبر اعظم کے دور میں مقبول ہوا اور ایک عرصہ بعد ولی دکنی کے ہاں ایک نیا معیارِ سخن
بن کر ابھرا۔

فانی کی شاعری میں فارسی مصرعے کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ ردیف

کو ترجمہ کر کے انھوں نے اردو کا رنگ دیا ہے۔ فانؔی کی غزلوں کا انداز ناصحانہ ہے۔ خدا کا خوف، تنگیٔ قبر، سیم وزر سے نفرت، وحدانیت میں پناہ، تو پناو غیرہ کو موضوعات بنایا ہے۔ نمونتاً دو اشعار دیکھئے۔

ارے اس یک پنے کے باغ میں آ　　دوئی کا تخم ہر گز بونکو توں
سدا یہ فرض فانؔی تجھ اُپر ہے　　خدا ایک جان دیکھوں دونکو توں

شاہ عبدالرحمٰن قادری :

فانؔی کے بعد تقریباً سو سال کا وقفہ ایسا گزرا جس میں اچل پور کے کسی شاعر کا ذکر تذکروں میں نہیں ملتا۔ گمان غالب ہے کہ انقلابات زمانہ کی وجہ سے اس دور کے شعراء کا کلام حتیٰ کہ ان کا نام بھی تلف ہو گیا۔ اس کے بعد اچل پور کے شعراء میں شاہ عبدالرحمٰن قادری کا نام آتا ہے۔ دکن میں اردو اور دکنی ادب کی تاریخ میں ان کا ذکر ہے وہ شاہ عالم بہادر شاہؔ کے زمانہ میں برار آئے انھوں نے ایک مثنوی باغ حسینی ۱۷۷۲ء میں تصنیف کی۔ یہ مثنوی کتب خانہ خانقاہِ الٰہی حیدرآباد میں موجود ہے۔ سولہ ہزار اشعار پر مشتمل یہ مثنوی دکن کی آخری طویل مثنوی خیال کی جاتی ہے۔

شیخ غلام مصطفیٰ انسانؔ :

آپ کی پیدائش مراد آباد میں ہوئی۔ ملا قطب الدین شہیدِ سہالوی اور شیخ غلام نقشبندی سے کتب معقولات کی تکمیل کی، علمِ حدیث میں سلسلہ عبدالحق دہلوی تک پہنچتا ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں منصب دار کے عہدے پر فائز رہے بعد ازاں ملازمت ترک کر کے اچل پور میں قیام پذیر ہو گئے۔ انسانؔ اپنے زمانے کے

جید عالم اور مشہور صوفی تھے۔ ان کا کلام توحید و معرفت سے پُر ہے۔ اردو فارسی کے علاوہ ہندی میں دوہے بھی کہے ہیں۔ طب، نجوم، خوش نویسی، فنون حرب اور علوم شانہ بینی اور علوم ہندی میں ماہر تھے۔ ۱۱۴۲ھ میں انتقال ہوا اور شاہ دولہار حمٰن غازیؒ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔ اردو کلام مفقود ہے۔ فارسی کی ایک رباعی نمونتاً یہاں درج ہے ؂

ہستی شخص و عدم چو آئینہ بہ پیش	عالم بمثال عکس نخویش نخویش
انساں بمثال چو چشم عکس است دور	آں شخص عیاں نمود پاک از کم و بیش

موسوی مہدوی:

ان کا نام سید موسیٰ عرفیت چھجّو میاں لقب مہدوی اور تخلص موسوؔی ہے۔ ان کا مجموعہ کلام مخطوطے کی شکل میں موجود ہے۔ ان کے مجموعہ کا نام روضۃ واصلین ہے۔ ۳۰۵ صفحات کا یہ مخطوطہ ۱۱۹۹ھ میں لکھا گیا۔ اس کا ابتدائی شعر یہ ہے ؂

ای حمد اوس جارب کا ہے جیتے قلوب المومنین
کھینچا ہے جن اپنے طرف خلاق رب العالمین

اور آخری شعر یہ ہے ؂

جب لکھا تاریخ نامہ یو کلام   یک ہزار یک صد نود نہ پر تمام

انکے کلام میں ہندی اثرات غالب ہیں۔ کلام دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ موسوؔی کو عربی اور فارسی کے علاوہ دکنی، گوالیاری اور گجری وغیرہ پر بھی دستگا حاصل تھی۔ مذہبی امور اور مسائل تصوف کی نمائش کے لئے اکثر تمثیلی اندا

ختیار کیا ہے۔ مخطوطے میں ہیئت کے لحاظ سے چند غزلیں بھی ملتی ہیں، موضوع ان
کا مذہب ہی ہے۔

سیّد بلاقیؔ :

سیّد بلاقیؔ دکنی کے شاعر تھے۔ ان کے حالات کسی تذکرے میں نہیں ملتے۔
اکٹر سید نعیم الدین نے یہ ثابت کیا ہے کہ سید بلاقیؔ کا تعلق اچل پور سے تھا وہیں انتقال
ہوا اور جامع مسجد کے قریب دفن ہوئے۔ انکی مشہور تصنیف معراج نامہ ہے جو
۱۱۰۵ء میں لکھی گئی۔

آقا محمد امین وفاؔ اچل پوری :

آقا محمد امین ۱۱۱۰ھ میں اچل پوُر میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ ملا
شیخ محمد مازندرانی سے اور شیخ غلام مصطفٰی انساںؔ سے پڑھیں۔ ۱۱۹۳ھ میں انتقال
فرمایا۔ انکے کلام میں روانی شستگی اور تاثیر نمایاں ہے۔ فارسی اور اردو میں شاعری
کی۔ اردو کی دو غزلیں تذکرۂ گلشن گفتار میں درج ہیں۔ نمونتاً دو شعر
ملاحظہ فرمایئے۔

عجب میں تجھ طرف اے دل ربا عاشق کے پھیرے ہیں
دل و جاں چشم و گوش و ہوش سب نت محو تیرے ہیں

دو جہاں کو ترک کر اک دل ربا کے واسطے
اب خودی سیں باز آ اے دل خدا کے واسطے

محمد شاہ محرّم:

محرّم کا نام معظّم خان تھا۔ ان کے والد نواب شجاعت خاں برار کے صوبیدار تھے۔ محرّم بڑے سلیقہ مند اور ذہین انسان تھے۔ زیادہ تر کلام فارسی میں ہے ریختہ بہت کم کہتے تھے۔ ان کا کلام سلیس اور شگفتہ ہے۔ ۱۷۵۲ء میں انتقال ہوا۔ دو شعر بطور نمونہ پیش ہیں۔

عجا ہیگا کہ کوئی فرشِ راہِ گلرخاں ہوئے
سلے جیوں خار اسکو ہر گل نازک نہالی کا

بہار آئے تو بلبل کو قفس میں قید مت کرنا
تو ایسا ظلم اس بے کس پہ اے صیّاد مت کرنا

شاہ باقر حسین باقر:

باقر صلابت خاں صوبیدارِ برار کے درباری شاعر تھے۔ اور نواب نامدار خاں پنی جرنیل کے ہم عصر تھے۔ مذہبی امور سے دلچسپی رکھتے تھے سلسلۂ طریقت میں شاہ حسینؒ کے مرید تھے۔ فرماتے ہیں۔

شاہ حسین میر کا میں کیا کروں بیاں
باقر کو دو جہاں سے آزاد کردیا

نمونتاً دو شعر یہاں درج ہیں۔

ساقی نہ دے پیالہ مجھے اب شراب کا
پردہ نہیں رہا مرے سر پر حجاب کا

جلوہ تو تیرے نور کا ہر شئے میں بھرا ہے
طالب میں جو دیکھا وہی مطلوب میں دیکھا

نصیر الدین خاں دانؔا :

داناؔ کا مولد و منشا شہر اورنگ آباد تھا۔ انھیں برار میں جاگیر عطا کی گئی تھی اسلئے یہ اچل پور میں سکونت پذیر ہوئے وہیں ۱۱۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے خاندانی حالات، ولادت اور کلام مفقود ہے۔ عبدالجبار خاں ملکاپوری نے ان کی شاعری کے متعلق لکھا ہے :

> "شعر گوئی کا شوق تھا خوب اور مرغوب فرماتے تھے اشعار کے دیکھنے سے آپکی لیاقت و استعداد معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا کلام آپ کی لیاقت اور استعداد کا محضر ہے۔"

نورالدین خاں رنگیںؔ :

آپ کا پورا نام نورالدین علی خاں اور تخلص رنگیںؔ تھا۔ آپ کے والد ضیاء الدین حسین خاں دکن کے صدر الصدور تھے۔ رنگیںؔ کی طبیعت کو غزل گوئی کے ساتھ مناسبت نہیں تھی۔ مثنوی میں انھیں درجۂ کمال حاصل تھا۔ انھوں نے ۲۴ر جمادی الآخر ۱۱۷۰ھ میں اچل پور میں انتقال فرمایا۔ نموتاً ایک شعر درج ہے ؎

رشتۂ عمر کے نزدیک ہے مقراض اجل
بے سبب چاک نہیں ہے یہ گریباں میرا

میر عبدالحیٔ خاں صارمؔ:

ان کے والد عرصۂ دراز تک برار کی دیوانی عدالت کے صدر (چیف جسٹس) رہے۔ ان کے والد کا نام صمصام الدولہ شاہنواز خاں تھا۔ صارمؔ کی پیدائش ۱۷۲۹ء کو ہوئی اور ۱۷۸۱ء میں انتقال فرمایا۔ نمونہ کلام کے لئے دو شعر درج ہیں ؎

مجھے گر جاں کنی کا حکم وہ شیریں دہاں کرتا
کہا اس کا خدائی سوں ارے یارو بجاں کرتا
فلک گرتا زمیں پھٹتی چمن سے رنگ اڑ جاتا
اگر میں اپنے دل کا حال اے ظالم بیاں کرتا

میر لطف علی لطفیؔ:

آپ کا ذکر کئی تذکروں میں ملتا ہے۔ یہ درویش محمد خاں صوبیدار برار کے نواسے تھے۔ عربی، فارسی میں اچھی استعداد تھی ایک مثنوی بہلولِ صادق لکھی تقریباً ۱۵۰ اشعار کی یہ مثنوی ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ لطفیؔ نے ۱۲۰۰ھ میں رحلت فرمائی۔ مختلف تذکروں میں ان کے اشعار ملتے ہیں۔ نموناً ایک شعر دیکھئے ؎

تجھ عشق کی اگن میں شعلہ ہو جل اٹھا جیو
دم موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ہے

شاہ غلام حسین چشتیؒ:

شاہ صاحب ۱۱۳۵ھ میں اچل پور میں پیدا ہوئے۔ وہیں ۱۲۱۵ (۱۷۹۵ء) کو انتقال فرمایا۔ شاہ غلام حسینؒ حضرت شاہ اسمٰعیل چشتیؒ کے حلقۂ ارادت

ن داخل تھے۔ان کا دیوان اب تک مخطوطے کی شکل میں تھا ابھی حال ہی میں پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالرحیم صاحب کی کوشش اور توجہ سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ دیوان میں حمد و نعت، قصائد و مدحات کے علاوہ ردیف وار غزلیں بھی ہیں۔ان کی شاعری میں صوفیانہ موضوعات فلسفۂ وحدت الوجود، شریعت، طریقت، عالم ناسوت، دنیا کی بے ثباتی اور فنا فی اللہ کی تلقین نمایاں ہیں۔ لسانی اور معنوی لحاظ سے آپ کی نظمیں یک رنگ نامہ، اشغال نامہ، قلندر نامہ، لگن نامہ، جھولنہ نامہ، سکھی نامہ، دھو نامہ، سفر نامہ اور مناقب بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کی شاعری لسانی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔زبان پر دکنی کا رنگ غالب ہے۔اس کے علاوہ برج بھاشا کے الفاظ کا کثرت سے استعمال ہوا ہے جو ولی کے بعد کسی بھی دکنی شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا۔ان کی غزل 'ساتجھ پڑی چوندیس' اس کی عمدہ مثال ہے۔ نمونتاً ایک غزل کے چند اشعار پیش ہیں ۔

عشق میں جیو دیا ، دیا سو دیا	مر کے میں پھر جیا ،جیا سو جیا
تھا پیاسا پیا کے وصل کا میں	بھر پیالہ پیا، پیا سو پیا
سلطنت سوں جگت کے ہو آزاد	اب فقیری لیا ،لیا سو لیا
خود نمائی کا چاک کر جامہ	تن پہ الفی سیا، سیا سو سیا
دشمنوں سوں نہ کہہ غلام حسین	دوست نے جو کیا ،کیا سو کیا

نواب نامدار خاں پنی جرنیل :

نواب نامدار خاں پنی ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ انکے والد نواب محمد صلابت خاں اور دادا محمد اسمٰعیل خاں پنی آصف جاہی حکمرانوں کی طرف سے ناظم برار مقرر

ہوئے تھے۔ یہ عہدہ نامدار خاں پنی کو بھی ملا۔ جنرل آرتھر ویلزلی نے انھیں ڈیوک کا خطاب عطا کیا تھا اسی مناسبت سے وہ جرنیؔل تخلص کیا کرتے تھے۔ شاعری کے علاوہ علم دوستی اور علم پروری ان کے اوصاف میں شامل تھی۔ جرنیؔل نے ہندوستانی رسم ورواج، تہوار، مذہبی رواداری اور حبّ الوطنی کو اپنے کلام کا موضوع بنایا۔ ان کے کلام میں ایک باب ہجویات کا بھی ہے۔ مخطوطے کی شکل میں ان کا کلام دستیاب ہے۔ نمونۂ کلام درج ہے ؎

آئی بہار سی ہولی نویلی پیا بن کیسیں کٹیں گی رتیاں
اب کے پھاگ میں ہم ہیں اکیلے بھجو سکھی ری اون کی پتیاں

راس بلاس ہو لاس سے رچ رچ گائے بجائے سکھی اب دیکھو
اپنے سنگ ہنس ہنس کھیلت بھاگ سو بھاگ سکھی اب دیکھو

جرنیؔل کے ہم عصر شعراء:

جرنیؔل کے ہم عصر شعراء کی تعداد کافی طویل ہے۔ انکی ایک نظم میں ان شعراء کے تخلص آئے ہیں۔ انکے پورے نام، حالات اور کلام مفقود ہیں۔ یہ تمام شعراء انکے مصاحبین اور درباری ہونگے۔ جرنیؔل کی شاعری اور حالات سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جرنیؔل نے ایک دبستان ہی قائم کر رکھا تھا۔ ان تمام شعراء کا کلام متفرق اشعار کی صورت میں تاریخ امجدی وغیرہ میں ملتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام روایتی ہے اور سوز و گداز سے خالی ہے۔ نواب صاحب کے بعد یہ دبستان بھی اجڑ گیا ان میں چند غیر مسلم شعراء بھی شامل تھے جنکا ذکر آئندہ سطروں میں کیا گیا ہے۔

جرنیل نے اپنی نظم میں جن شعرا کا ذکر کیا ہے انکے تخلص اسطرح ہیں: باقر، فضل عباس، امداد، جانباز، حافظ، دائم، ظفر، رضا، صنم، مضطر، اور زار۔ انکے علاوہ جن شعراء کا ذکر مختلف تذکروں میں آیا ہے ان میں عمر دراز، خان فیل، سلمان خان عشاق، محمد پناہ طرفہ، ظاہر بیگ فریاد، میر امام الدین قلق، محمد عظیم صادق، باپا راجۂ شفق، ہاتھی خاں، مراد خاں مراد، رائے ہر پرشاد، منشی رام سیوک شنگرفی اور سید موسیٰ میاں عرفان۔

سید غلام رسول پیر زادہ عرف جیوا میاں:

مہدوی فرقہ کے مبلغ اور عربی فارسی اور اردو کے جید عالم تھے امجد حسین خطیب کے ہمعصر تھے۔ نمونۂ کلام:-

وصف اس کے حسن کا آتا نہیں تحریر میں
ذکر کیا تحریر کا ہے بلکہ صد تقریر میں

یوسف میاں پیر زادہ:

مہدوی فرقہ کے داعی و امام تھے۔ پروفیسر سید عبدالرحیم صاحب کے جدِ امجد تھے اور عربی فارسی اور اردو کے عالم بھی۔ ان کی اولاد میں سید عبدالرزاق ذاکر نے خوب نام پیدا کیا۔ سید یوسف صاحب کی نعت کا اک شعر ملاحظہ ہو:-

رتبہ احمد کا فزوں سب سے خدا نے رکھا
جن کی دہلیز پہ سر شاہ و گدا نے رکھا

امبا پرشاد طربؔ :

تاریخ امجدی میں ان کا ذکر آیا ہے۔ نواب صلابت خاں بہادر کے عہد میں علاقہ دار تھے اردو اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ تاریخی قطعات بھی لکھے ہیں۔ نمونۂ کلام یہاں درج ہے ؎

زاہدوں فخر ہے جائینگے ہم تو جنت میں
بت پرستوں کا بہر حال خدا مالک ہے

سالِ تاریخ کی فکرت میں طربؔ تھا غلطاں
کہہ دیا دل نے زباں سے کہ ہے تاریخِ دکن

بھوانی پرشاد نفیسؔ :

آپ کی پیدائش اچل پور میں ہوئی۔ قوم کے کائستھ تھے اور نامی وکیلوں میں شمار تھا۔ اردو فارسی میں طبع آزمائی کی۔ شاعری میں میر سرفراز علی سے مشورہ لیا۔ ابتداء میں بھولا ناتھ کو بھی اشعار دکھائے۔ ان کا کلام صاف اور پختہ ہے۔ نمونتاً دو شعر پیش ہیں :؎

بتوں کو سنگ دل حق نے بنایا — بچاؤں شیشۂ دل میں کہاں سے
ہوا اچھا جو سر قاتل نے کاٹا — سبک میں ہو گیا بارِ گراں سے

شیخ شاہ محمد احسنؔ :

نواب صلابت خاں کے دربار میں ملازم تھے۔ ان کی شاعری میں دکنی کے ساتھ شمالی ہند کی شُستہ اردو کے الفاظ کا استعمال بھی نظر آتا ہے احسنؔ نے ایک شہر

آشوب' اکیس بندوں پر مشتمل لکھا تھا جو اس زمانہ کی ابتری اور انتشار کا آئینہ دار ہے۔
سلام اور مرثیے بھی لکھے ہیں۔ نمونۂ کلام درج ہے ؎

انگشت پنج یکساں پیدا کیا نہ خالق   بے جا ہے بزرگوں سے کہنا کہ ہم برابر

میر شمس الدین محمد فیضؔ :

ان کی پیدائش ۱۱۹۵ھ میں اچل پور میں ہوئی۔ صوفی مشرب تھے اور تصوف وسلوک سے گہرا تعلق تھا۔ ان کی وفات ۱۲۸۳ھ میں ہوئی۔ کئی کتابیں تصنیف کیں۔ بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے۔ اردو شاعری کا نمونہ کلامُ درج ہے ؎

اڑائی جیب و گریباں کی دھجیاں میں نے
مگر نہ قبضہ میں داماں آرزو آیا

سُہیلؔ :

سُہیلؔ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ انھوں نے تاریخ امجدی کے ایک باب 'تاریخِ بہمنی' کا اردو منظوم ترجمہ کیا۔ اس کے دو مختلف مخطوطے دستیاب ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے سُہیلؔ اچل پور کے شاعر ہوں گے۔ (امجد حسین خطیب امجدؔ کی شاعری پر علاحدہ ایک مضمون شاملِ کتاب ہے)

ڈاکٹر وسیم دردانہ باسط نے اچل پور کے چند قدیم اردو شعراء میں غلام حسین ایلچ پوری، نامدار خاں بنی جرنیلؔ اور امجد حسین خطیب کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے اور نمونۂ کلام بھی دیا ہے۔ اچل پور کے قدیم شعراء میں ایسے کئی نام مل سکتے ہیں جنھیں تحقیق کا موضوع بنایا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

موسوی مہدوی اور روضۂ واصلین

سیّد غلام علی

تاریخ میں ہمارے شہر کو دارالسرور بلدۂ پرنور شہر ایلچ پور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ شہر ہر دور میں گہوارۂ علم و فن رہا ہے اور اس ادب نواز خطے سے بے شمار شاعر صوفی اور ادیب اٹھے جنھوں نے اپنے خون جگر سے اردو ادب کے گلستاں کی آبیاری کی۔ لیکن زمانہ ان میں سے بیشتر فنکاروں کے نام اور کام سے ہنوز ناآشنا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ بار شکر و احسان ہے کہ ڈاکٹر سید نعیم الدین صاحب، ڈاکٹر سید عبدالرحیم صاحب، محترمہ ڈاکٹر وسیم دردانہ صاحبہ اور دیگر محققین کی مساعیٔ جمیلہ کے باعث کئی گمنام شخصیتوں کے تابندہ کارنامے روشنی میں آچکے ہیں۔ پھر بھی کئی مُسلّم الثبوت اساتذۂ فن کی شخصیات وادبی خدمات پر تاریکی کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جن میں موسوؔی مہدوی، شاہ باقر حسین باقؔر، حاجی محمد امام الدین عرف حاجی محمد عبداللہ، امبا پرشاد طربؔ، محمد وزیرالدین آغاؔ وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر سید نعیم الدین صاحب نے موسوی مہدوی اچل پوری کے مجموعہ کلام روضۂ واصلین کا سب سے پہلے اپنے مقالات میں اجمالی ذکر فرماتے ہوئے اس پر تفصیلی، تحقیقی و تنقیدی کام کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اسی احساس کے تحت میں آج کی اس نشست میں مولوی موسوؔی مہدوی اچل پوری کے مجموعۂ کلام روضۂ واصلین پر اپنے تحقیقی نتائج پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ موصوف کے کلام کا مخطوطہ عالی جناب خوبن میاں صاحب، مقیم

اشرف پورہ اچل پور کے پاس محفوظ ہے جس کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ موسوی مہدوی اچل پوری 'شاہ غلام حسین چشتیؒ' کے معاصرین میں سے تھے اور دکنی ایوانِ شاعری کے ایک اہم ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مخطوطہ روضۂ واصلین تقریباً ۶۱۰ صفحات پر مشتمل مجموعۂ کلام ہے جس کے ہر صفحے پر ۱۵ اشعار ہیں۔ جن صفحات پر ضمنی عنوانات کافی طویل ہیں ان پر صرف دو اور تین اشعار ہی ہیں۔ ویسے مکمل مجموعۂ کلام تقریباً ۸ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۱۹۹ھ، سنِ کتابت ۱۲۴۴ھ اور کاتب کا نام سید جلال بن میاں سید موسیٰ مہدوی ہے۔ مخطوطہ کی تقطیع ۲۳×۱۵ سینٹی میٹر ہے۔ خط نستعلیق ہے۔

حالات زندگی :

مولوی موسوی مہدوی اچل پوری کے حالات زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔ افسوس کہ تلاشِ بسیار کے باوجود تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن مخطوطے کا بہ نظر عمیق مطالعہ کرنے کے بعد داخلی شہادتوں کی بناء پر موصوف کی زندگی کے اہم حالات کا کافی وشافی علم ہو جاتا ہے جنھیں مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔ ہر نتیجے کے ثبوت میں کئی کئی اشعار موجود ہیں لہٰذا بہت سارے حوالہ جاتی اشعار وقت کی قلت کے باعث یہاں پیش کر سکنے سے قاصر ہوں۔

موصوف کا نام میاں سید موسیٰ عرفیت چھجو میاں نسبت مہدوی اور تخلص موسوؔی ہے۔ شاعر ہر جگہ اپنے لئے موسوؔی مہدوی کی ترکیب استعمال کرتا ہے۔

(بحوالہ صفحہ ۲۵۲ شعر نمبر ۱۱۔ صفحہ ۵۴۷ شعر نمبر ۸۔ صفحہ نمبر ۵۴۳ شعر نمبر ۳ تا ۸)

آپکی والدہ صاحبہ کا نام بی بی الہداتی عرف خواجہ زادی بی بی تھا جو شہ ید اللہ کی

پوتی اور بندگی شہ میران جی کی نواسی تھیں۔ بقول موسوی مہدوی :

خوزادی بی بی کا غلام ہوں کمتر
جو سر جا خداج کوں ان کے شکم بر

سیدو میاں صاحب یا میراں جی صاحب موسوی کی والدہ کے نانا تھے۔ (صفحہ نمبر ۲۲۹ شعر نمبر ۶)

موسوی کے کئی بھائی تھے جن کا ذکر کلام میں کئی جگہ ملتا ہے۔

کلام :

روضۂ واصلین کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ شاعر جید عالم ہے۔ عربی' فارسی' دکنی' گوالیری اور گجری وغیرہ پر کامل دستگاہ حاصل ہے۔ مختلف مقامات پر نعتیہ کبت، دوہرے چھند بے تکلفی کے ساتھ نظم کیے گئے ہیں۔ گوالیری زبان کا استعمال بھی کیا گیا ہے جس سے موصوف کی دیگر زبانوں میں مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ شاعر اس زمانے کے مروجہ ہندی علوم و فنون میں بھی ماہر ہے' عروض پر بھی کامل دستگاہ ہے۔ فنِ موسیقی، راگ اور بارہ ماسی پر بھی خاصے اشعار ہیں۔

مسائلِ تصوف یا مذہبی نکات کی فہمائش کے لئے اکثر تمثیلی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اور ان مضامین میں دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کلام کو جا بجا نادر تشبیہات و استعارات، رموز و کنایات اور صنائع لفظی و معنوی کے استعمال کے ذریعے خوب سے خوب تر کیا ہے۔ 'نقلست' کے عنوانات کے تحت سیکڑوں دلچسپ مذہبی اور اخلاقی قصے منظوم کیے گئے ہیں۔ بے شمار مناقب بھی لکھے ہیں جن سے ان کی مذہب کے

تئیں رغبت اور بے انتہا خلوص و عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ ہر بزرگ کی منقبت میں تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ تاریخی حالات بھی درج ہیں۔

ان اخلاقی مذہبی اور دلچسپ قصوں کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہ کلام کافی مقبول رہا ہوگا اور اسے یقیناً عوام و خواص کی پسندیدگی کی سند حاصل ہوگی۔ چونکہ ان قصوں اور مناقب وغیرہ میں فرقۂ مہدویہ سے متعلق مذہبی تقدس کی فضا بھی قائم ہے اس لئے قرین قیاس ہے کہ یہ سارا کلام مذہبی مجالس میں پڑھا جاتا رہا ہوگا۔ مناقب کے ذریعے اسلافِ مہدویہ کے مکمل حالات، معجزات، خرقِ عادات وغیرہ بھی بہت دلچسپ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں جس سے پسندیدگیٔ خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔

تخلیقات پر جہاں ہندوی روایات کے زبردست اثرات ہیں وہیں فارسی اثرات بھی ہیں۔ تصنیف کا سن اگرچہ ۱۱۹۹ھ ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب دلی ہی نہیں دکن میں بھی اردو زبان کافی ڈھل چکی تھی۔ اسے فارسی سے قریب ہو کر ٹکسالی زبان کا درجہ حاصل ہو رہا تھا لیکن علاقۂ اچل پور و برار میں وہی طرز کہنہ بے تکلف جاری تھا۔ اور عوامی پسندیدگی کا باعث تھا۔ یہی وجہ ہے کہ موسوی مہدوی اور ان کے معاصر شاہ غلام حسین چشتیؒ کی زبان پر بھی یہی رنگ غالب ہے۔

موسوی مہدوی نے ریختہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن اس پر بھی ہندوی اثرات غالب ہیں۔ غزل کے عنوان سے کئی غزلیں بھی لکھیں ہیں لیکن صرف بہ اعتبار ہیئت موضوع ان تمام غزلوں کا صرف مذہبی ہے۔

شاعری اپنے ابتدائی دور میں فطرت سے قریب تھی۔ ہر قسم کے مناظر و واقعات اس میں بیان کئے جاتے تھے۔ یہی صورتِ حال حضرت مہدوی موسوی کے ہاں بھی موجود ہے۔ ۸ ہزار اشعار پر مشتمل اس مجموعۂ کلام کو پڑھ کر انداز ہوتا ہے کہ

شاعر کو اظہار پر زبردست قدرت حاصل ہے۔

معائب :

(۱) قافیہ بندی کا التزام اردو شاعری کے ابتدائی دور کے مطابق صوتی آہنگ پر رکھا گیا ہے۔ ضرورت شعری کی بناء پر لفظوں کو خواہ مخواہ کھینچ کر یا مختصر پڑھنا پڑتا ہے

(۲) کسی واقعہ کے بیان کے سلسلے میں اختصار کو روا نہیں رکھا گیا بلکہ خواہ مخواہ قصے کو طول دینا شاعر کا خاصہ ہے۔

موضوعاتی جائزہ :

روضۂ واصلین کی ابتداء ۰۱ حمدیہ اشعار سے ہوتی ہے۔ حمدِ خداوندی پر مشتمل دو اشعار کے بعد 'سرجنہار کی لا' عنوان کے تحت اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خدا کی بڑائی کے متعلق کبت اور دوہرہ لکھا ہے۔ مذکورہ حمد کے بعد 'مناجات فی الدرگاھے قاضی الحاجات' درج ہے۔ جس میں خداوند قدوس کے تئیں اپنی عاجزی و انکساری کا حال رقم کیا ہے۔ مناجات ۱۶۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ صرف تین اشعار دیکھئے اور عربی اثرات کی کارفرمائی ملاحظہ کیجئے :

الٰھے مستجب دعوات ھے توں — مناجاتے رواحاجات ھے توں

خداوندا کریما عیب ستار — منزہ توں رحیما بر گنہ گار

توئی صانع توں سامع باصر'' حق — توئی ساطع توں لامع ناصر'' حق

مناجات کے آخر میں شاعر اپنے گلستانِ سخن کی آب و تاب کو قائم و دائم اور خلقِ خدا کے لئے فیض رساں بنانے کی دعا کرتا ہے۔ گلشنِ سخن کو ہمیشہ تازہ اور سرسبز و

شاداب رکھنے کی التجا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میرے چمنِ سخن میں (طرزِ گفتار میں) وہ بار لا کہ جسے حاسد دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہیں۔ چمنِ سخن میں ایسا سروِ ہنر قائم کر جس کی خوشبو کے باعث دل کی قمریاں اس پر جم جائیں اور دشمن کے دل کی فاختہ عیب ڈھونڈنے پر بھی عیب نہ ڈھونڈ سکے۔ اپنے طرزِ بیان کو دلچسپ اور رنگین بنانے کے لئے نئے نئے استعارات و تشبیہات کا استعمال کرنا حضرت موسیٰ مہدوی کی خصوصیت ہے۔ زیرِ نظر مناجات میں معنی کا چشمہ، سخنِ الماس، لالہ، لعل، نیلم، بنفشہ، ہنر کی سرو، دلکیاں، قمریاں اور عدو کے دل کی فاختہ قابلِ غور ہے۔

مناجات کے بعد انسان کی سرشت میں خدائے عزوجل کے عطا کردہ چار خصائل کا علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ اول ایمان، دوم حیا، سوم عقل اور چہارم علم۔ اسکے بعد شاعر نعت محمدؐ، مدح صحابہ اکرامؓ، مدح اصحابِ عشرۂ مبشرہ اور مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تعریف و توصیف پیش کرتا ہے۔ نیز ترجیع بند، دہروں، کبت اور دیگر اصناف سخن کا سہارا لیتے ہوئے تقریباً تمام اہمؒ داعیانِ فرقۂ مہدویہ کی شان میں اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار مناقب کے ذریعے کرتا ہے۔ لیکن صرف مناقب پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کہیں کہیں انکے مکمل حالات زندگی، بیان عطائے خلافت، کشف و کرامات حالاتِ وفات، وفات کے وقت کی جملہ کیفیات، حالات جذب، فرمودات اور اپنے معتقدوں و مریدوں کے سامنے پیش کی گئیں روایات بھی بالتفصیل پیش کردی گئی ہیں۔

کہیں کسی داعی کی جانب سے اپنے مریدوں کو روایتیں اور دلچسپ قصے سنائے جارہے ہیں کہیں پند و نصائح کے دفتر پیش کئے جارہے ہیں۔ کہیں داعیٔ حق کی سواری میدان جنگ و جدال میں نظر آرہی ہے۔ کہیں مجاہدینِ اسلام کفار کے لشکر جرار سے نبرد آزما ہیں۔ بڑے بڑے چالاک ہاتھیوں، زہریلے ناگوں اور ظالموں کو موت کے گھاٹ

اتار کر حق کی فتح و نصرت کا نقارہ بجایا جارہا ہے، تعلیم و تدریس کا مشغلہ بھی شروع ہے۔ حالات سفر بھی سامنے ہیں۔ عزیزوں، رشتہ داروں اور متعلقین سے تعزیتی ملاقاتیں بھی جاری ہیں۔ متعلقین کو صبر و صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت و تاکیدیں کی جارہی ہیں کہیں وفات سے قبل حالات کشف میں پیش کردہ فرمودات کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی اور کہیں وصال کے وقت کی جملہ کیفیات کا نقشہ نظر آرہا ہے۔ غرض شاعر فنکارانہ چابکدستی اور صناعی کا سہارا لیتے ہوئے اپنے جادو نگار قلم کے ذریعے ایسا ماحول پیش کردیتا ہے کہ فرقۂ مہدویہ کے بیشتر لائق تعظیم و تکریم اسلاف کی زندگیاں اپنے تمام تر جاہ و جلال اور زہد و تقدس کے ساتھ شعر و سخن کے آئینے میں ہمارے سامنے جلوہ افروز نظر آتی ہیں۔

سببِ تصنیفِ روضۂ واصلین:

موسوی نے روضۂ واصلین کا سببِ تصنیف کتاب کے آخر میں 'در مدح حضرت مانصاحب بی بی رحمتہ اللہ علیہا' اور 'در خاتمہ کتاب گوید' عنوانات کے تحت نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مانصاحب بی بی (جو زین العابدین کی دختر تھیں) نے آپ کو حکم دیا کہ عالمِ جذب کے حالات اور بزرگانِ دین کی مدح اور مناقب منظوم بیان کیے جائیں۔ موسوی کی جانب سے جواباً اپنی بے چارگی کا اظہار کیے جانے پر موصوفہ نے فرمایا کہ خدا کا نام لے کر کام شروع کردیا جائے اللہ مدد کریگا۔ اس تیقن کے بعد موسوی بظاہر تو خاموش ہوگئے لیکن بہ باطن پر جوش ہوکر حکم کی تعمیل میں منہمک ہوگئے اور انجام کار اپنے باطنی جذبات کو صفحۂ قرطاس پر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بکھیر کر ۸ ہزار اشعار کا جامہ پہنادیا۔ اسطرح مانصاحب

کے حکم کے صدقے میں یہ ضخیم کتاب روضۂ واصلین معرض وجود میں آئی۔

سنِ تصنیف :

موسوی نے 'در خاتمہ کتاب گوید' عنوان کے تحت اپنی تصنیف کی گونا گوں خصوصیات کا ذکر بڑے دلچسپ پیرائے میں کیا ہے اور کلام کی مقبولیت کیلئے خدا سے دعا کی ہے اور آخرِی پانچ مصرعوں کے سر حرف میں اپنے تخلص موسوی کو ضم کیا اور پڑھنے کی ترکیب کی صراحت بھی کر دی۔ اسی طرح کتاب کا نام روضۂ واصلین مادۂ تاریخ کے طور پر استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ سن تصنیف کا علیحدہ سے بھی اظہار فرمادیا۔

۱۔ جب کیا تاریخ کا ناظم شمار — نام روضۂ واصلین یو لیا پکار
۲۔ ہاتف غیبی نے فرمایا یقین — نام اور تاریخ روضۂ واصلین
۳۔ ہاتف علام الغیوب اسرار عیں — نام میں تاریخ فرماکار ہیں
۴۔ جب لکھا تاریخ تامہ یو کلام — یک ہزار یکصد نودنہ پر تمام

الغرض روضۂ واصلین میں شامل تمام مناقب' مناجات وروایات وغیرہ دیکھیں تو بادی النظر میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی عمومی اور روایتی انداز کی تصنیف ہے۔ لیکن کلام کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے اور عمیق مطالعہ کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ اسکے ہر ہر شعر میں معرفت و تصوف کے دریا موجزن ہیں۔ شاعر حمدِ خدا بیان کرے' نعت احمد پیش کرے یا مناجات وروایات رقم کرے کسی بھی جگہ معرفت و تصوف کے اسرار و رموز بیان کرنے سے نہیں چوکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء سے آخرِ تک مذہبی تقدس کی فضا چھائی رہتی ہے اور قاری اپنے آپ کو کسی پیر خدا رسیدہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے ہوئے پاتا ہے۔ نیز مذہبی نکات ورموز کی تفہیم سے لطف

اندوز ہوتا ہے۔

اپنے کلام کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے موسوی نے قاری کو کلام کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے اور در نایاب ڈھونڈ نکالنے کی تلقین کی ہے۔

ملاحظہ ہو ؂

جو نظم کے یم میں غواصی دھریں
ناجدا اپنے ستی یک پل کریں

فہم کا ماریگا جو غوطہ یقیں
اوسکے ہاتھ آویگا در معنی دیں

جو کہ ڈھونڈیگا تو معنے پاوے گا
نا ڈھونڈ نہار یکے کیا ہاتھ آویگا

جو کہ ڈبکی کھائے اس دریا منے
لائگا مقصد کی دُر او سامنے

آپ لا کر خلق کو بتلائگا
دیکھ اوسکو جگ منافع پائے گا

☆☆☆

حضرت شاہ سید غلام حسین چشتیؒ

ڈاکٹر سید نعیم الدین

"تمنا کو اے سہلیاں میٹھے بچن سناؤں"

جس بزرگ کے میٹھے بچن سننے اور سنانے کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں وہ اور ان کے پیر حضرت اسماعیل چشتیؒ تقریباً دو سو سال پہلے اسی اچل پور دارالسّرور میں دین و معرفت کی شمع فروزاں کیے ہوئے تھے۔ شاہ سید غلام حسینؒ کو اپنے مرشد سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی اسی طرح جس طرح کہ حضرت امیر خسروؒ کو اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے تھی۔ مشہور ہے کہ اپنے مرشد کا جنازہ دیکھ کر خسرو کی زبان سے بے ساختہ نکلا تھا۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ پڑی چو ندیس

اسی بیت سے ملہم ہو کر حضرت شاہ سید غلام حسینؒ نے اپنے مرشد کی وفات پر ایک غزل لکھی جس کے چند اشعار سنیے۔

سووت سووت نس دن کھویا سورج ڈوبا جائے
چاند نہ نکسا بھیا اندھیرا سانجھ پڑی چو ندیس

رین اندھیری بات کٹھن اور نپٹ بحث ہے گیات
کیوں کر پہنچوں دور ہے ڈیرا سانجھ پڑی چو ندیس

ایک چلی ہے پنیا بھر بھر ایک بھرن کو آئے
یہ پن گھٹ کا ہیرا پھیرا سانجھ پڑی چو ندیس

چل گھر اپنے سنگ گرو کے چیرا ہو کے حسیؔن
پنچھی لینے چلے بسیرا سانجھ پڑی چو ندیس

حضرت شاہ سید غلام حسیؔن کی اس غزل میں ایک مخصوص اُداسی بسی ہوئی ہے جو کسی محبوب شخص کی موت پر فطری طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سانجھ پڑی چو ندیس کی تکرار سے پیدا ہونے والے اندھیرے کی شدت کا احساس ہوتا ہے۔ زبان کی سادگی، خلوص پر دلالت کرتی ہے اور بیان کا علامتی انداز دل کو چھو لیتا ہے۔ پنگھٹ سے پنیا بھر بھر کر بہانا، بادلوں کا چاند کو گھیر لینا، پنچھی کا اپنے آشیانے کی طرف لوٹنا، شام کے اندھیرے کا چھا جانا یہ سب دنیا سے آخرِی سفر کی بڑی عمدہ اور موثر علامتیں ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ولؔی اردو غزل کو فارسی غزل کے سانچے میں ڈھال چکے تھے اور شمالی ہند میں میؔر، دردؔ وغیرہ فارسی رنگ میں رنگی ہوئی غزلیں پیش کر رہے تھے۔ اس زمانے میں ہندی افکار و طریقۂ اظہار کی آئینہ دار، یہ غزل ایک نئی آواز معلوم ہوتی ہے۔ ناچیز کا دعویٰ ہے کہ پورے اردو ادب میں اس غزل کا جواب نہیں۔ شاہ صاحب کی غزلوں میں روانی اور لطفِ زبان خاص طور پر نمایاں ہیں، مثلاً ؎

عشق میں جیو دیا دیا سو دیا   مر کے میں پھر جیا جیا سو جیا

دشمنوں سوں نہ کہہ غلام حسینؔ　　　دوست نے جو کیا کیا سو کیا

جیوں زلیخا ملے گا یوسف کوں　　　گر رکھے اے عزیز پیو کی چاہ

جہاں تک 'لگن نامہ' کا تعلق ہے یہ نظم بھی اپنی مثال آپ ہے۔ شاہ صاحب اس نظم میں سہیلی سے خطاب کرتے ہوئے بطور استعارہ کہتے ہیں کہ تیرا اصلی زیور پیا کا پریم ہے، تو کب تک میکے یعنی عالم فانی میں رہے گی آخرِ تجھے سسرال یعنی عالم بالا کو جانا ہے وہاں کے لیے کچھ سودا (اچھے اعمال) اپنے ساتھ لے چل۔

تمنا کو اے سہلیاں بیٹھے بچن سناؤں
ٹک کان دھر سنو تم پیو سوں لجا ملاؤں

پیو کے اُپر تمہیں سب تن من اپس کا وارو
پیو کو سمجھ کے دل میں یک دم نکو بسارو

اس مائکے کے گھر سوں ہرگز نہ دل لگانا
جانا ہے سا سرے کوں آخرِ وہی ٹھکانا

ان کی ہر دل عزیز نظم 'یک رنگ نامہ' ہے اس میں کبیر کے انداز میں کہتے ہیں کہ ہندو مسلمان دونوں ایک ہی مقام سے آئے ہیں۔ تمثیلی پیرائے میں کہتے ہیں کہ کمہار نے ایک ہی مٹی سے سب برتنوں کو بنایا۔ اختلاف نام اور شکل میں ہے۔ حضرت کا 'یک رنگ نامہ' میرے خیال میں ہندو مسلم اتحاد پر اردو کی قدیم ترین نظم ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یوں دونوں جھنے ایک جاگا سوں آئے　　　جگت میں مسلمان ہندو کہائے
گھڑا ہے کمار ایک ماٹی کے بھانڈے　　　ہوا کون ملا ہوا کون پانڈے

اردو میں شری کرشن پر تو نظمیں مل جاتی ہیں لیکن ایسا خیال ہوتا ہے کہ اردو کے کسی قدیم شاعر نے شری کرشن کے دوست 'اودھو' کو موضوع سخن نہیں بنایا۔

شاہ غلام حسین کا 'اودھو نامہ' اس موضوع پر غالباً پہلی کاوش ہے۔ حضرت نے اسے راہِ سلوک کا پیر بنادیا ہے وہ کہتے ہیں ؂

لوگ سنگت کے سب نکل کے گئے
کوئی نہ تجھ بن یار رے اودھو

سید غلام حسین کی ایک نظم 'قلندر نامہ' بھی ہے۔ قلندریہ، فرقۂ ملامتیہ کی ایک شاخ ہے۔ ان کا مشرب صلح، بے آزاری اور بے ریائی ہے۔ وہ کہتے ہیں ؂

دو جگ کی نعمتوں سے ہاتھ دھوکر　　　گدائی کر کے کھاتا ہے قلندر
اپس کے سر پہ تاجِ فقر فخری　　　شہنشاہ ہو پھراتا ہے قلندر
ظہور ظاہری ویران کر کے　　　نگر باطن بساتا ہے قلندر

ان کی نظم 'منزل منزل' اردو کے قدیم ترین منظوم سفرناموں میں سے ایک ہے۔ شاہ صاحب کی نظم 'اشغال نامہ' ذکر کے مختلف طریقے اور ان کے خواص واثرات سے متعلق ہے۔

غرض دین و عرفان کی تاریخ ہی میں نہیں اردو شاعری اور ادب میں بھی حضرت شاہ سید غلام حسین کا مقام مسلم ہے۔

☆☆☆

سید امجد حسین خطیب بحیثیتِ مؤرّخ

ڈاکٹر سید ابرار حسین خطیب

خان بہادر ابوالفتح ضیاء الدین محمد عرف سید امجد حسین غزنوی الانبازی الحنفی قاضی وخطیب اچل پوری (۱۸۳۲ء۔ ۱۹۰۵ء) عبقری صفات کے حامل تھے حکومتِ برطانیہ نے بجا طور پر آپ کو خان بہادر اور آفتابِ برار کے خطاب سے نوازا۔ آپ فطری طور پر صوفی، شاعر اور عالمِ دین تھے لیکن مؤرخ کی حیثیت سے بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ فارسی زبان میں تاریخِ امجدی لکھ کر آپ نے اہلِ برار پر خصوصاً بہت بڑا احسان کیا ورنہ برار کی تاریخ پردۂ خفا میں رہتی۔

آپ کو حضرت شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ سے بڑی گہری عقیدت تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موصوف کا نسبی تعلق سید عبدالملک ثانیؒ سے تھا جو حضرت شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ کے ہمراہ جہاد کی غرض سے اچل پور تشریف لائے اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔ سید امجد حسین خطیب کی وصیت کے بموجب آپ کے جسدِ خاکی کو انتقال کے بعد شاہ دولھا رحمٰن غازیؒ کی درگاہ کے احاطہ میں نوبت خانے کے مقابل سپردِ خاک کیا گیا۔

جب آپ نے فارسی میں تاریخِ برار لکھی تو اس کتاب کا نام بھی اسی نسبت تعلق کے اظہار کے لئے تاریخ دکن الملقب به ریاض الرحمن المعروف به تاریخِ امجدی رکھا۔ یہ کتاب مطبع خورشیدیہ حیدرآباد سے ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

میں شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت پر ریسیڈنٹ بہادر نے ۲۵۰ روپے کا پہلا انعام دیا تھا۔ ۷۲۶ صفحات پر مشتمل بڑی تقطیع کی یہ ضخیم کتاب ہندوستان کے تاریخی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ یہ کتاب علاقۂ برار کا مکمل دفتر ہے جس میں یہاں کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، ثقافتی، ادبی اور علمی حالات درج ہیں۔ اس کتاب میں بادشاہوں، ناظموں اور نوابوں کے علاوہ علماء، صلحاء، اولیاء، شعراء، ادباء اور خوش نویسوں کے حالات و کوائف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قدیم عمارتوں کا حال اوران پر کندہ کتبوں کی نقلیں، نوابوں کے شجرے، اہم خطوط اور فرامین کی نقلیں، شعراء کا منتخب کلام، ہر عہد کے رسم ورواج اور تہذیبی حالات گویا یہ کتاب قدیم برار کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

تاریخِ امجدی کا وہ حصہ خصوصیت سے زیادہ قیمتی اور معلوماتی ہے جس میں نوابانِ اچل پور کے حالات درج ہیں۔ اس بات کا خود خطیب سید امجد صاحب کو بھی دعویٰ ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

> "آج تک کسی مؤرخ یا شاعر یا منشی نے مخصوص ملک برار کی بابت علی الخصوص نوابوں کے حال میں دوورق کا رسالہ بھی جداگانہ تصنیف نہیں کیا تھا۔" (چراغ برار۔ ص ۲۳۵)

سید امجد حسین خطیب اردو، فارسی اور عربی کے جیدّ عالم تھے۔ ان تینوں زبانوں میں آپ نے شاعری کی۔ مزید برآں آپ کے چند اشعار مراٹھی زبان میں بھی ملتے ہیں۔ جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے ان کا قلم نثر سے نظم کی طرف چلنے لگتا ہے۔ تاریخ امجدی (فارسی) اور چراغ برار (اردو) میں دھانورہ کی جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہاں چراغ برار کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے جو قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ لکھتے ہیں :

"جب راجہ رام بخش بہادر پیشکار ہوئے اور نذرانہ استقلالی کا تیس لاکھ روپیہ طلب کئے غلام حسن خان موافق قرارداد عہد امیر کبیر بہادر کے تین لاکھ روپیہ موصولہ کے سوائے اور چودہ لاکھ دینے کو حاضر تھے۔ راجہ رام بخش نے نامنظور کرکر صوبیداری اچلپور کی بنام راجہ جیونت رام نواسہ بشن چند کے کردئے اور واسطے لینے قلعہ اچلپور کے سرکار کی طرف سے چار سو عرب اور امرلوتی کی جمعیت اور دو ضرب توپ متعین ہوئے رادھا کشن مع گنوباو کیل دیس مکھانِ اچلپور اور نانک رام کھتری ساکنِ اچلپور مقطعدار محصول چہلدو اور جمعیت لئے ہوئے موضع دھانورہ پر اچلپور سے پانچ کوس پر دیول میں فرود ہوئے غلام حسن خان بہادر نے تین ضرب توپ اور پلٹن ٹامس برون اور تیج سنگھ کی اور سوار پیدل جملہ ایک ہزار کی جمعیت سے جاکر مقابلہ کیا"۔

ابیات

حسن خان کا جب کوس جنگی بجا
دھنورے کا جنگل لرزنے لگا
گنوبا لگا کہنے ہو مضمحل
کہ ہیا گوشٹی پھار جھالی کٹھل
(کہ یہ بات بہت دشوار ہوگئی)
اتا یا و دھر لالہ رادھا کشن
(اب آ اور پکڑ اے لالہ رادھا کشن)

کہ ڈوکیا ور آلا گولام حسن
(کہ غلام حسن سرپر آ گیا ہے)
ملا تیاچا پنگا سرپ واٹتے
(مجھے ان کا پنکھ سانپ لگتا ہے)
بھیو تیا چا پرورتیاس واٹتے
رکھا بتی لفٹن نے جب توپ پر
تو اعراب کہتے تھے این المفر
چلایا گرب چھاٹ تامس بروں
ہوا دشت دھانورہ دریائے خوں
جب ہوتا تھا گولہ ہدف کے قریں
توہر بار کہتی تھی توپ آفریں
سپاہی نقیبوں کی سن کر صدا
ہوبد مست گرتے تھے دشمن پہ جا

(چراغ برار)

خطیب صاحب فطری طور پر شاعر تھے۔ اخلاقی اور نعتیہ شاعری ان کا خاص موضوع تھا۔ تاریخ امجدی کی پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عالمِ دین اپنی پوری شعری صلاحیت اور مذہبی تقدّس کے ساتھ تاریخی واقعات منضبط کر رہا ہے۔ تاریخی واقعات کے بیان میں خطیب صاحب نے ضمنی طور پر اپنا اور مشاہیر شعراء کا کلام جابجا پیش کیا ہے۔ چنانچہ تاریخِ امجدی میں تحریر کردہ خطیب صاحب کے اپنے طبعزاد فارسی قصائد، مثنویاں، تہنیت نامے اور منظوم تاریخوں کو یکجا کیا جائے تو اچھا خاصا دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ خطیب صاحب کو تاریخ گوئی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔

تاریخِ امجدی میں سینکڑوں تاریخیں ملتی ہیں۔ قرآنی آیات سے کسی واقعہ کی تاریخ نکالنا بہت مشکل فن ہے اس الہامی صفت سے بھی آپ مُتصف تھے۔ یہاں نمونتہً تین تاریخیں درج کی جاتی ہیں۔

راجۂ ایل اور اس کے قتل کی تاریخ

چو در غزوۂ عبد رحمان شاہ   شد از کافراں قتل جم غفیر
پی تہنیت کوس شد در غریو   کہ شد بہر کفار بئس المصیر
جو سال از لب یوق کردم طلب   وماواء ھم النار آمد نقیر

۱۰ + ۳۸۲ = ۳۹۲ھ

شاہ دولہار حمٰن غازیؒ کی شہادت کی تاریخ

شاہ دولہا رحمٰن چوں بغزوِ راجۂ ایل   در برار اندر رہ حق شد قتیل
جملۂ احیاء عند ربھم   از پی تاریخ گفتا جبرئیل

۳۹۲ھ

شاہ سید غلام حسین چشتیؒ کے انتقال کی تاریخ

شہ غلام حسین حق آگاہ   زبدہ سالکین واقف راہ
پی سال وصال چوں امجد   بو در فکرتی کہ یک ناگاہ
گفت ہاتف سنین شنقارش   روح اللہ روحہ و ثراہ

۱۲۱۱-۱ = ۱۲۱۰ھ

فارسی تاریخ امجدی کے ایک باب متعلقہ سلطنت بہمنیہ کا برار کے ایک غیر معروف شاعر سُہیلؔ نے اردو میں منظوم ترجمہ کیا۔ یہ منظوم ترجمہ بہ عنوان تاریخ منظوم سلاطین بہمنیہ محمد عبداللہ چغتائی کے پیش لفظ کے ساتھ انجمن

ترقیٔ اردو، دہلی سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ یہ بات خطیب صاحب کی تاریخ نویسی کے باب میں مستند اور مقبول ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

فارسی میں تاریخِ امجدی لکھ کر اور شائع کرنے کے بعد خطیب صاحب نے دو جلدوں میں اس کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی نہیں بلکہ آزاد ترجمہ ہے۔ کہیں کہیں قدرے مختلف اور اضافہ شدہ ہے۔ اس اردو ترجمہ کی دوسری جلد میں برار کے اپنے ہم عصر شعراء کا کلام اور ان کے مختصر حالات لکھے ہیں جو کسی اور تاریخ یا تذکرے میں ہمیں نہیں ملتے۔ یہ دونوں جلدیں قلمی شکل میں جامع مسجد اچل پور کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

۱۸۷۸ء میں خطیب صاحب نے ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن آف برار کے حکم سے مدارس کے طلبہ کے لئے آردو میں تاریخِ امجدی کی تلخیص کی اور اس کا نام چراغِ برار رکھا۔ یہ مختصر تاریخ بھی ۲۴۷ اوراق پر مشتمل ہے اور ہنوز غیر مطبوعہ* ہے۔ خطیب صاحب کی اردو تحریر خالص براری ہے جس کا خطیب صاحب نے خود اعتراف کیا ہے۔

*(نوٹ: ڈاکٹر سید عبدالرحیم نے حال ہی میں چراغِ برار کی تسوید کے بعد اسے شائع کر دیا ہے)

☆☆☆

سیّد امجد حسین خطیب اچل پوری

ڈاکٹر وسیم دردانہ باسط

برار کے قدیم شہروں میں اچل پور علمی اور تاریخی اعتبار سے بہت قدیم شہر ہے اس شہر میں مجاہدین، شعراء، ادباء، اہل فضل و کمال اور اہلِ علم و فن مدفون ہیں۔ بقول حالیؔ ؎

چپہ چپہ میں ہیں یاں گوہر یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

دسویں صدی عیسوی میں شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ راجہ ایل کے ظلم و تشدد کا خاتمہ کرنے غزنی سے لشکر کثیر اور صوفیائے کرام کی جماعت کے ساتھ اچل پور تشریف لائے۔ صوفیوں میں سیّد عبدالملک مثنیٰؒ بھی تھے جن کا سلسلۂ نسب گیارہویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ملتا ہے۔ یہی سیّد عبدالملک مثنیٰؒ، سیّد امجد حسین خطیب کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ محمد تغلق کے داماد عمادالملک سر تیز ترکمان اچل پور تشریف لائے اور جامع مسجد کی بنیاد رکھی تو سیّد عبدالملک مثنیٰؒ کے پوتے سیّد عبدالجلیل بن سید قمرالدین کو اس مسجد کی خطابت کا عہدہ تفویض کیا۔ خطابت کا سلسلہ آج تک اسی خاندان میں چلا آرہا ہے۔

ابوالفتح ضیاء الدین سیّد امجد حسین خطیبؔ و قاضی، حافظ سیّد اشرف حسین خطیب کے فرزند اکبر تھے مرحوم اپنے نام کے مطابق زندگی کے ہر شعبہ میں ابوالفتح اور

ضیاء الدین رہے۔ عربی، فارسی اور اردو پر کامل عبور حاصل تھا۔ تاریخ نویسی، شاعری اور منصفی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

بہ حیثیت شاعر:

ان کی شاعری مدحِ رسول ﷺ کے لئے مختص تھی ان کے مدحیہ قصائد کا مجموعہ دیوان امجد فی مدح احمدؐ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اشعار میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ دیوانِ امجد کی ابتداء ان اشعار سے ہوتی ہے ؎

مبارک باد دنیا میں اب ایسا مہ جبین آیا
کہ جس کے حسن کے خرمن میں یوسف خوشہ چیں آیا
چراغِ خانۂ ایزد مکینِ خانقاہِ کن
مکانِ لامکاں جس بادشاہؐ کا شہ نشیں آیا

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

صوتِ حق لاریب فیہا ہست فرمانِ رسولؐ
شاہد است انّا فتح بر عزّت و شانِ رسولؐ
اس قبائے تنگ کا سن حال میں کہتا ہوں ہائے
مسِ جسم پاک سے اسعد قبا تھی میں نہ تھا

قرآنی تلمیحات، نادر تشبیہات اور خوبصورت استعارات سے آپ کا کلام مزین ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ پوربی زبان میں بھی آپ کے اشعار ملتے ہیں۔ آپ نے عربی زبان میں جو قصیدہ لکھا ہے ملاحظہ فرمایئے:

الهی الهی بفضل العمیم
ارنی دیار الرسول الکریم
و ان نلت یوماً الی طیبه
فبلغ سلامی الیه النسیم

فارسی قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نسیما جانبِ بطحا گذر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن
بگو اے بادشاہ ہر دو عالم
مرا از روضہ ات شامم سحر کن

پوربی زبان کے اشعار دیکھئے۔

جگ موہن اُمّ قرا کو باسی بیت مقدّس آنن میں
سبحان الذی اسریٰ سے ملے موہے وا کی کھبر کرآنن میں
آدمؑ ستی یا عیسیٰ نبی سگروہی پکاریں گے نفسی
پر موہے نبیؐ سلطانِ رُسُل کہیں اُمتی اُس میدانن میں

بہ حیثیت مؤرخ:

سیّد امجد حسین خطیب نہ صرف شاعر اور نثر نگار بلکہ ایک معتبر مؤرخ بھی تھے۔ آپ نے فارسی میں برار کی تاریخ لکھی جو ریاض الرحمن عرف تاریخِ امجدی کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اردو زبان میں اس کتاب کا ترجمہ کیا جو غیر مطبوعہ ہے۔ اسکول کے طلبہ کے لئے اس کتاب کی تلخیص چراغِ برار کے نام سے کی۔

تاریخ امجدی (فارسی) کی اشاعت پر انگریز حکومت نے ۲۲ر ستمبر ۱۸۶۹ء کو
دو سو پچاس روپے کا اوّل درجے کا انعام دیا اور خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔

بہ حیثیت منصف :

منصفی کے عہدے کے بارے میں آپ خود لکھتے ہیں :

”شروعِ عملِ انگریزی میں خدمتِ ناظری محکمہ میرِ عدل ضلع برار ملازم ہوا۔ بعدہٗ منصف آکوٹ میر مہدی علی خاں نے رخصت لی تو انچارج منصف مقرّر ہوا۔ مقدمات سنگین جو دیوانی اور فوجداری فیصل کر کے ڈپٹی کمشنر صاحب کی پسند خاطر ہوا اور جب منصف صاحب نے استعفیٰ دیا تو منصف مستقل ہوا۔ جب برار میں نوشت و خواند مراٹھی جاری ہوا اور فارسی ختم ہونے لگی راقم خانہ نشین ہوا۔“

تعلیم و تربیت :

خطیب صاحب اپنی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں :

”یہ خاکسار سیّد امجد حسین عفی اللہ عنہٗ جناب مولانا و مقتدنا سیّد محی الدین صاحب مغربی میر عدل برار سے علم صرف و نحو، منطق، فرائض، تفسیر، حدیث اور فقہ جتنا کہ تقدیر میں تھا حاصل کیا۔ بعدہٗ مولانا سیّد معصوم سے عقائد میں تلویح پڑھی اور مولوی عبدالرحمٰن ولایتی سے ھدایہ اور علم اصولِ فقہ کی تعلیم حاصل کی۔“

اخلاق وعادات:

خطیب صاحب کی زندگی اس آیتِ شریف کے مصداق تھی، اِنَّ صَلَاتِی وَ نُسُکِی وَ مَحیَایَ وَ مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبُّ العٰلَمِین۔ (میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب ربُ العالمین کے لئے ہے۔) باوجود عالم و فاضل ہونے کے مزاج میں انکساری اور تواضع تھی غریب امیر سب سے یکساں برتاؤ رکھتے۔ باوجود کثرتِ مال کے فقیرانہ زندگی بسر کرتے۔ زندگی کے اوقات حقوقِ الٰہی اور حقوق العباد کی ادائیگی میں صرف کرتے۔ پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ تہجّد کی نماز مسجد میں ادا کرتے۔ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک مصلےّ پر تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتے۔ اس کے بعد بچوں کو دین کی تعلیم دیتے۔ ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام 'مدرسۃ الجامع' تھا۔ خوش گلو میلاد خواں حضرات کی ایک جماعت بنائی جو نعت پڑھتی۔

اخترِ امجد سے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۴۸ھ برآمد ہوتی ہے۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کی درگاہ میں نوبت خانہ کے مقابل سپردِ خاک کیا گیا۔

اچل پور کے اردو نثر نگار

ڈاکٹر سیّد صفدر

شہیدوں، غازیوں، کج کلاہوں کا وطن --- عابدوں، زاہدوں اور صوفیوں کا مسکن --- شعر و ادب اور دانشوری کا مامن --- اچل پور شہر فی الواقع ایک شہر ہے، شہر --- جو عبارت ہوتا ہے اپنی ثقافت سے۔ حدیث، فقہ، تصوف اور شعر و ادب کے آفتاب اس شہر کی افق پر طلوع ہوئے۔ ایک زمانہ ان سے کسب فیض کرتا رہا۔ ان بزرگوں نے کرامت و کتابت کے ایسے روشن نشانات یادگار چھوڑے ہیں کہ برسوں شب و روز کی اڑائی ہوئی گرد انھیں بے نشاں نہ کر سکی۔

شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے مزار شریف پر ایک تختی آویزاں ہے:

' ادب ضرور ہے شاہوں کے آستانے کا '

میرا جی چاہتا ہے کہ اس عبارت کی ایک تختی شہر کے صدر دروازے پر آویزاں کر دی جائے۔ اس مضمون میں اچل پور کے اردو نثر نگاروں کا ایک جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

نواب نامدار خاں پنّی: (پ ۱۲۰۶ھ - م ۱۲۶۱ھ)

قدامت کے اعتبار سے اب تک دریافت شدہ مخطوطات اور اچل پور کی نثری تصانیف میں نواب نامدار خاں پنّی کا روز نامچہ اوّلیت کا حامل ہے۔ یوں نواب نامدار

خاں پنّی اچل پور کے پہلے نثر نگار قرار پاتے ہیں۔اس روزنامچے میں نامدار خاں پنّی کی روزانہ مصروفیات ، سرکاری انتظام ، صلح و جنگ وغیرہ کی تفصیلات درج ہیں۔ یہ روزنامچہ تاریخِ برار کی ایک اہم اور معتبر دستاویز ہے۔نواب نامدار خاں پنّی کے ورثاء نے کسی ساہوکار کے پاس اسے رہن رکھ دیا تھا۔ساہوکار کے ورثاء اسے کسی خزانے کا راز سمجھ کر اس کی حفاظت کرتے رہے۔غالباً اسی غلط فہمی کے سبب روز نامچہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہا۔یہ روز نامچہ آج بھی ساہوکار کے عزیزوں کے پاس کامٹی میں محفوظ ہے۔

خطیب امجد حسین امجؔد (م ۱۹۰۵ء بمطابق ۱۳۲۳ھ) :

(نوٹ : سید امجد حسین امجؔد خطیب کا ذکر بہ حیثیت نثر نگار ایک علاحدہ مضمون میں کیا گیا ہے)

خان صاحب مولوی عبدالرزاق ذاکر (پ ۱۸۷۰ء م ۱۹۴۰ء) :

خان صاحب مولوی سید عبدالرزاق ذاکر کا نام بھی اچل پور کے اردو نثر نگاروں میں خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی سب سے اہم تصنیف تاریخ برار ہے جس کا مخطوطہ آج بھی ڈاکٹر سید عبدالرحیم کی تحویل میں ہے۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ مصنف نے کتاب کی ابتداء برار کے جغرافیہ سے کی ہے۔پہلے باب میں برار کے جغرافیہ اور ثقافت کے بیان کے بعد برار کے ہندو فرمانرواؤں کے حالات بیان کیے ہیں۔ دوسرے باب میں اسلامی حکومت کا حال قطب الدین ایبک سے شروع کیا ہے۔ تیسرا اور چوتھا باب خاندان بہمنیہ کے احوال پر مشتمل ہے۔پانچویں باب میں سلطنت عماد شاہیہ کا بیان ہے۔ چھٹے باب میں سلطنت

نظام شاہیہ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

مولوی صاحب کی دوسری تصنیف سوانح عمری خان بہادر ایچ۔ ایم۔ ملک ہے۔ یہ کتاب ۳۹۵ صفحات پر مشتمل ہے جو ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ جابجا اردو اور فارسی اشعار کی پیوندکاری نے تحریر کو پر لطف بنادیا ہے۔

مولوی صاحب کی ایک اور تصنیف سوانح عمری نواب اسماعیل خان پنی ہے۔ یہ ۵۸ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا۔ ان مستقل تصانیف کے علاوہ خان بہادر مولوی سید عبدالرزاق ذاکر کے متعدد مضامین ہم عصر رسائل میں شائع ہوئے۔ ان رسائل میں ادیب ناگپور خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ اردو اور فارسی کے ساتھ ساتھ آپ کو انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ نے انگریزی میں بھی مضامین سپردِ قلم کیے۔

محمد مہتاب خان :

محمد مہتاب خان صاحب ایک کامیاب مُدرّس اور ماہرِ تعلیم ہوئے ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ کو تصنیف و تالیف سے بھی شغف تھا۔ حضرت کو جغرافیہ اور تاریخ سے خصوصی دلچسپی تھی۔ آپ کی تحریر کردہ جغرافیہ کی کتاب برسوں برار میں شاملِ نصاب رہی۔ آپ نے اچل پور کے تعلق سے ایک اہم تاریخی کتاب تذکرۂ رحمانی تصنیف کی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب حضرت شاہ عبدالرحمٰن غازیؒ کے حالاتِ زندگی اور راجا ایل کے خلاف جہاد کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ ساتھ ہی اچل پور کی تاریخی عمارات کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔

ڈاکٹر سید نعیم الدین :

ڈاکٹر سید نعیم الدین ایک بلند قامت محقق اور نقاد ہیں۔اپنے علمی و ادبی کاموں کے لیے موصوف کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ڈاکٹر سید نعیم الدین کو اردو اور فارسی کے ساتھ ساتھ عربی، ترکی، انگریزی اور مراٹھی زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ آپ نے اردو کے علاوہ انگریزی ترکی اور مراٹھی زبانوں میں بھی علمی اور تحقیقی مضامین سپردِ قلم کیے ہیں۔ڈاکٹر سید نعیم الدین نہ صرف یہ کہ قدر اول کا کام پسند کرتے ہیں بلکہ ان کی تحریروں سے متعلق صف اول کے اہلِ قلم کے مضامین مقتدر ادبی رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر سید نعیم الدین نے پہلی بار حضرت شاہ غلام حسین چشتی اچل پوریؒ کے کارناموں (مخطوطات) کو جزدانوں سے نکال کر اردو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ قومی یکجہتی اور ہندو مسلم ایکتا پر اولین اردو نظم 'یک رنگ نامہ' اور اس کے خالق شاہ غلام حسین چشتی کو اردو سے متعارف کرنے کا سہرا ڈاکٹر سید نعیم الدین کے سر ہے۔

انشا کا ترکی روز نامچہ ڈاکٹر سید نعیم الدین کی دریافت ہے۔اس دریافت سے اردو کی تاریخ میں انشا سے متعلق معلومات کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر سید نعیم الدین کے ترجمے اور حواشی کے ساتھ انشا کا ترکی روزنامچہ قومی کونسل برائے ترقی اردو زبان، دہلی نے شائع کیا ہے۔

اقبال کو رومی سے اور ڈاکٹر سید نعیم الدین کو اقبال سے عشق رہا ہے۔ آپ کی کتاب مرید ہندی اسی عشق و انہماک کا حاصل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۲ء میں آزاد کتاب گھر، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

ڈاکٹر سید نعیم الدین روایتی صوفی گھرانے میں پیدا ہوئے اور ان کے علم و

مطالعے نے انھیں خدا مست رومی اور اقبال کے ولولۂ روحانی سے قریب کر دیا۔ رومی و اقبال کے وسیلے سے ڈاکٹر سید نعیم الدین نے تنِ انسانی کے نیچے رواں دواں دریائے جاں کا احاطہ اس انداز سے کیا ہے کہ مصنف خود بھی 'صاحبِ جاں' معلوم ہوتا ہے۔ مریدِ ہندی موصوف کا ایسا کارنامہ ہے جس پر اہل اچل پور جس قدر فخر کریں کم ہے۔ آپ کے اقبال اور رومی کے سلسلے کے ایک انگریزی مضمون کا فارسی ترجمہ ایک ایرانی اہل علم نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔

مراٹھی انسائکلوپیڈیا مراٹھی وشوَکوش میں شامل اردو اور فارسی ادباء، شعراء اور اصناف سخن سے متعلق تعارفی مضامین ڈاکٹر سید نعیم الدین کے قلم سے نکلے ہیں۔ یہ ایک بڑا اعزاز ہے جو اچل پور کے اس ادیب کو حاصل ہے۔

اس پیرانہ سالی میں بھی موصوف تصنیف و تالیف کے کاموں میں منہمک ہیں۔ آپ کی ایک اور کتاب عارفانہ و حکیمانہ افکارو اقدار، فارسی و اردو شاعری میں زیر ترتیب ہے۔ آپ کے تحقیقی مضامین آج بھی مقتدر ادبی جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔

روایتی شعر و ادب کے ساتھ ساتھ جدید شاعری اور نئے تنقیدی نظریات سے بھی آپ کو دلچسپی ہے۔ آپ کے مضامین تحقیقی ادب کے جرائد کے ساتھ ہی جدید شعر و ادب کے علمبردار رسالے شب خون میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ قصہ ہائے قدیم و جدید سے آپ کی دلچسپی خالص علمی انداز نظر کی مظہر ہے۔ آپ کی فکر سکہ بند نہیں ہے۔ اس کھلے ذہن کے باعث آپ قدیم و جدید ہر دو مکتب فکر کے اہل قلم کے درمیان محبوب و محترم ہیں۔

محمد ابراہیم شرآر :

محمد ابراہیم شرآر اچل پور کے مایۂ ناز اہل قلم ہوئے ہیں۔ ماہر قانون ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک مصلح، صحافی اور عالم دین بھی تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں ہی صحافت سے آپ کا تعلق ہو گیا۔ محمڈن ہائی اسکول، امروتی، کے ادبی مجلے مُرقّعِ اردو کی ادارت جب آپ کے سپرد ہوئی تب ہی سے آپ کے علمی جوہر اہلِ نظر پر روشن ہو گئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد خاکسار تحریک سے وابستہ ہوئے۔ اسی تحریک میں رہتے ہوئے آپ کو تعلیمِ قرآن سے دلچسپی ہوئی۔ آپ نے اپنی عمرِ عزیز عربی زبان اور تعلیمِ قرآن کو عام کرنے کے لیے وقف کر دی۔ علمی ادبی اور دینی شعور کے فروغ کے لیے آپ نے پہلے ماہنامہ انیس اور پھر ماہنامہ محشر اچل پور سے جاری کیا۔ محشر ابتدا میں اچل پور سے پھر آکولہ سے اور بعدہ بمبئی سے نکلتا رہا۔ آپ تادمِ آخر محشر کے مدیر رہے۔

محمد ابراہیم شرآر جدید علوم کی روشنی میں آیات قرآنیہ کی تفسیر لکھتے تھے۔ آپ کی کتاب عربی سیکھیے بھی عربی زبان کے طلبہ میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کتاب کا جدید ایڈیشن ڈاکٹر سید عبدالرحیم کے حواشی کے ساتھ چند برس پہلے شائع ہوا ہے۔

شرآر صاحب کی تحریروں کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جانا چاہیے۔

شیخ قاسم رضا :

شیخ قاسم رضا علمِ ریاضی کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی تحریر کردہ الجبرا، جیومٹری، کی کتابیں مدتوں شامل نصاب رہیں۔ مذہبی اور ادبی تحریکات میں آپ

محمد ابراہیم شرآر کے دستِ راست رہے ہیں۔ آپ کے اصلاحی مضامین محشر میں مستقل شائع ہوتے رہے ہیں۔ 'آج کی دنیا' کے عنوان سے محشر میں آپ مستقل کالم لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ عین الملک اور دیگر قلمی ناموں سے آپ نے محشر کے لیے مضامین لکھے۔ شیخ قاسم رضا معروف تاریخی واقعات کو اصل عصری صورت حال سے منسلک کرتے ہوئے اسے نئی معنویت عطا کر دیتے ہیں۔ یہ تخیلی جست ان کی صحافتی تحریروں کو بھی تخلیقی جوہر سے مزین کر دیتی ہے۔ وہ استخراجِ نتائج کے باب میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ شیخ قاسم رضا نے بھی اپنے مضامین کتابی شکل میں مرتب نہیں کیے۔ آپ کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو اس سلسلے میں سعی کرنی چاہیے۔

شیخ محمد عظیم :

شیخ محمد عظیم درس و تدریس کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ خدمتِ قوم میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کی کوششوں سے برار کے طول و عرض میں متعدد اردو مدارس قائم ہوئے۔ وہ اصلاح قوم کے لیے بھی ہمہ تن کوشاں رہتے تھے۔ اس سلسلے میں موصوف نے متعدد کتابچے لکھے اور شائع کیے۔ ان کی بنائی ہوئی سبھی اسکیمیں روبہ عمل نہ ہو سکیں لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ کتابچے آنے والی نسلوں کے لیے شمعِ راہ ہونگے۔

ڈاکٹر وسیم دردانہ باسط :

ڈاکٹر وسیم دردانہ باسط تدریس کے پیشے سے منسلک ہیں۔ آپ اچل پور کے

قدیم ادب پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ڈاکٹر وسیم دردانہ باسط کی کتاب اچل پور کے چند قدیم اردو شعراء جدید مطبوعات میں اچل پور کے قدیم ادب پر ایک اہم دستاویز ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالرحیم :

اچل پور کے بزرگ نثر نگاروں میں ڈاکٹر سید عبدالرحیم کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔آپ کو علاقائی ثقافت ، تاریخ اور ادب سے خاص لگاؤ ہے۔ جامعہ (دہلی) نوائے ادب (ممبئی)اور دیگر مقتدر ادبی تحقیقی رسائل میں آپ کی بیش قیمت تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں۔اردو نثر نگاری کے ساتھ ساتھ مخطوطہ شناسی اور کتبہ شناسی کے لیے بھی آپ کو ناموری حاصل ہے۔آپ نے تذکرہ مشاہیر برار مرتب کر کے ۱۹۸۲ء میں امراوتی سے شائع کیا۔ یہ تذکرہ برار میں ادب و تاریخ کے معتبر ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

کلمات (۱۹۹۵ء)آپ کے تحقیقی و تنقیدی مضامین کا انتخاب ہے۔آپ نے علاقہ ودربھ کے اہل قلم اور کتب خانوں سے متعلق بیش قیمت مضامین لکھے ہیں۔ سادہ اور دلکش اندازِبیاں کے ساتھ آپ کی پاکیزہ نثر آپ کی پاکیزہ شخصیت سے ہم آہنگ ہے۔

آپ کی تحریریں افراط و تفریط سے پاک ہوتی ہیں۔ علاقائی ادب کی تاریخی دستاویز مرتب کرتے ہوئے آپ کا قلم جذبات سے مغلوب نہیں ہوتا۔ فرمائشی اور بے وقار تعریفی کلمات کے بگڑے ذہن حضرت کی باوقار سنجیدہ نگارشات سے مطمئن نہیں ہوتے۔

مرحوم کلام حیدری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ”جب میں قلم پکڑتا ہوں تو سچ اسے اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔“ ڈاکٹر سید عبدالرحیم کا قلم اسی سچ کا امین ہے۔ مثنوی پنچھی باچھا کے مصنف وجدؔی کی سوانح میں وجدؔی کے مربی اسماعیل خاں کا نام آتا ہے۔ محققین اس اسماعیل خان کو والیٔ برار اسماعیل خان پنی سمجھے۔ ڈاکٹر سید عبدالرحیم نے دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ وجدی کا مربی اسماعیل خان والیٔ برار اسماعیل خان پنی نہیں ہے۔ برار کی خاک سے اٹھے ایک ادیب کے لیے ان حقائق کا اثبات مشکل ہوتا ہے۔ مگر ڈاکٹر سید عبدالرحیم اس مشکل مرحلے سے سلامت روی کے ساتھ گذرتے ہیں۔

اچل پور کی ثقافت، تاریخ اور ادب پر آپ کی گہری نظر ہے۔ اس ضمن میں بہت سے مخطوطات اور ضروری کتب آپ کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔ بہتر ہو اگر موصوف اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائیں کہ اس کا حق ادا کرنے کے آپ اہل ہیں۔

حیدؔر بیابانی:

حیدؔر بیابانی ایک معروف شاعر اور نثر نگار ہیں۔ نرم ملائم لفظیات اور نازک نسائی احساسات کی حامل نظمیں کہنے والے حیدر بیابانی طنزیہ مزاحیہ نثر نگار کی حیثیت سے بھی اردو دنیا میں اپنا مقام بنا چکے ہیں۔ آپ کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین ہند و پاک کے معروف مزاحیہ ادب پیش کرنے والے جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ بہ عنوان چشم دید شائع ہو چکا ہے۔

اچل پور میں خوش باشوں اور زندہ دلوں کا ایک محلّہ ہے، بیابانی۔ اس کے

زندہ دلوں کی صحبت اور املی کے باغوں اور شہتوت کی شاخوں کے سائے میں ہنستے کھیلتے یہ حضرت جوان ہوئے ہیں۔ اس فیضانِ بیابانی نے حیدؔر کے طنز و مزاح کو املی اور شہتوت کے کھٹے میٹھے ذائقے عطا کیے ہیں۔ حیدر کا طنز و مزاح پری رخوں سے چھیڑ چھاڑ کا بھی حاصل ہے۔ یعنی بیان حیدر بیابانی کا اور ذکر پری وشوں کا۔ ان کے مضامین داستان بیوی باکمال شوہر، بد زبان بیویاں، نمک کی چمک، مثالی شو، ایک خط، اور چند حسینوں کے خطوط وغیرہ اس چھیڑ خوباں کے غمّاز ہیں۔

کھلتے جاتے میں ڈھانپتے جانا زندگی کا جبر ہے۔ اسے دیکھ دیکھ کر دوسروں کو دکھاتے جانا مزاح نگار کی شرارت۔ حیدر بیابانی اس فن میں طاق ہیں۔ پڑھنے والا ان کی فتوحات میں شریک ہو کر 'ہپ ہپ ہرّے' والی مسرت سے دامن بھر لیتا ہے۔ حیدؔر بیابانی بات کو لطیفے میں بدلنے کا بھی ہنر خوب جانتے ہیں۔ اس بات میں موصوف شفیق الرحمٰن اور خواجۂ عبدالغفور کے سلسلے سے منسلک ہیں۔ حیدر جتنے کامیاب شاعر ہیں اتنے ہی کامیاب نثر نگار ہیں۔ مختلف علمی ادبی کتابوں پر ان کے لکھے تبصرے بھی بہت پسند کیے گئے ہیں۔ یہ تبصرے حیدر کی فنی آگہی اور تنقیدی بصیرت کے بھی آئینہ دار ہیں۔

بابو آر کے :

اصل نام رحمت اللہ خان ہے۔ بابو آر کے ان کا قلمی نام ہے۔ بابو آر کے نے بہت جلد طنزیہ، مزاحیہ ادب کی تاریخ میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ آپ کے طنزیہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ خطا معاف کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ یوسف ناظم نے خطا معاف کے دیباچے میں لکھا ہے :

"بابو آر کے اچل پور جیسی معروف جگہ کو اپنے قلم اور روشنائی کی مدد

سے مزید معروف کرنے میں مشغول ہیں۔"

علامہ اقبال کا یقین تھا کہ نگاہ مرد مومن سے تقدیریں بدل جاتی ہیں، راقم الحروف یہ مانتا ہے کہ فن کار کی نگاہ کے لمس سے تصویریں بدل جاتی ہیں۔ بابو آر کے کو یہ تخلیقی نظر میسر ہے۔ جس شئے کو ان کی نگاہ چھولے وہی خندہ آور ہے۔ تنجن کی اس دیگ سے یہ چند دانے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اچل پور سے مرتضٰی پور تک چلنے والی نیرو گیج ٹرین کا تعارف یوں پیش کرتے ہیں :

" عرق النساء کے مریض کی طرح درد سے کراہتے ہوئے چار چھ ڈبے، سن رسیدہ بزرگ کی طرح ہانپتا کانپتا تھکا تھکا سا انجن، مرگی کے مریض کی طرح بے سدھ ننھی ننھی پٹریاں۔ جب 'شکنتلا' اپنے اسٹیشن سے ڈگ ڈگ کرتی نکلتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے ٹی۔ بی۔ کا کوئی مریض اسپتال سے ڈسچارج ہو کر نکلا ہو۔ "

عنوانات قائم کرنے میں بھی بابو آر کے خندہ نظری کو بروئے کار لاتے ہیں۔ دانت برائے ادب، میاں جورو اور بچن، مہنگائی اور تاج محل، دولہا، گھوڑا اور ڈانس وغیرہ

سید غلام علی :

ساتویں دہائی کے اوائل میں ادب الاطفال میں ایک نو عمر نثر نگار کا نام خاصہ مشہور ہوا۔ یہ سید غلام علی تھے۔ سید غلام علی کی کہانیاں روزنامہ انقلاب (ممبئی) کے ادب الاطفال کے صفحے پر بڑے شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ ان کی چند کہانیاں پاکستان کے بچوں کے رسائل اور ڈائجسٹوں میں بھی شائع ہوئی ہیں۔ مجھے یاد ہے ان دنوں سید غلام علی کی کہانی 'میٹرک کا سرٹی فکٹ' کا بڑا چرچا تھا۔ سید غلام علی نے طالب علمی کے

زمانے میں ایک قلمی رسالہ غازی بھی جاری کیا تھا۔ غلام علی ہی اس کے مدیر تھے۔ غازی میں غلام علی کی کہانیاں اور راقم الحروف کی غزلیں بڑے اہتمام سے شائع ہوتی تھیں۔ ایک ناخواندہ مصوّر اس کی تزئین کا ذمہ دار تھا۔ غازی کے شمارے طلبہ کے حلقے میں بہت پسند کیے جاتے تھے۔

عبدالستار جوہر :

مرحوم عبداللہ ناصر نے روزنامہ انقلاب کے وسیلے سے ادب الاطفال کو ایک تحریک بنادیا تھا۔ ان کے ہمت افزائی سے روزنامہ انقلاب (ممبئی) کے صفحات پر وودربھ کے کئی طلبہ اپنے قلم کی جولانیاں دکھارہے تھے۔ ان میں ایک اچل پور کیمپ کے قلم کار عبدالستار جوہر بھی تھے۔ بچپن کی سرحد کو عبور کرتے ہی سید غلام علی اور عبدالستار جوہر نثر نگاری سے دست بردار ہو گئے۔ مجھے یقین ہے یہ حضرات آج بھی قلم سنبھال لیں تو اردو دنیا میں اپنی شناخت قائم کرلیں۔

شاہد رشید :

ودربھ کے قلم کاروں کی صف میں شاہد رشید کی شمولیت سے ایک بڑا خلاء پر ہوا ہے۔ شاہد رشید کے طنزیہ مزاحیہ مضامین شگوفہ (حیدرآباد) میں شائع ہوئے ہیں۔ شاہد نے نصابی کتابوں پر عمدہ تبصرے لکھے ہیں جو اکبر رحمانی کی ادارت میں شائع ہونے والے رسالے آموز گار (جل گاؤں) میں شائع ہوئے ہیں۔ مگر ان کا کارنامہ سائنسی موضوعات پر لکھے گئے وہ مضامین ہیں جو ماہنامہ سائنس میں شائع ہوئے ہیں۔ رسالہ سائنس پروفیسر اسلم پرویز کی ادارت میں دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

شاہد رشید کے سائنسی مضامین بچوں اور بڑوں ہر دو طبقات کے قارئین کے لیے دلچسپ اور معلومات آفریں ہیں۔ شاہد کے مضامین سائنسی ایجادات و انکشافات کے ساتھ بدلتی دنیا کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوں گے انھوں نے ماحولیات، امراضِ قلب، نئی دریافتیں اور حلت و حرمت کے نئے مسائل سے متعلق مضامین لکھے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہند اور بیرون ہند اردو دنیا میں شاہد کے مضامین کو سراہا جارہا ہے۔ شاہد کے مضامین کا مجموعہ دلِ دشمناں عنقریب شائع ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر سید صفدر :

راقم الحروف کو بھی اہل کمال کے شہر اچل پور کی خاک کا ذرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نثر میں طنز و مزاح اور تنقید نگاری سے شغف ہے۔ طنز و مزاح تو منہ کا مزہ بدلنے کیلئے کبھی کبھار لکھا ہے البتہ تنقیدی مضامین آٹھویں دہائی کے اوائل سے مقتدر ادبی جرائد میں شائع ہو رہے ہیں۔ تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ شاعری اور شیوۂ پیغمبری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ تنقید کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف جدید شعری تنقید ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ تنقید پر تیسری کتاب بے آمیز زیرِ ترتیب ہے۔

عظیم راہی :

عظیم راہی جدید افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانچوں کا پہلا مجموعہ پھول کے آنسو چھپ چکا ہے۔ افسانوں کا دوسرا مجموعہ اگلی صدی کے موڑ پر حال ہی میں یعنی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے۔

عظیم راہی کو بچپن سے ہی ادبی ماحول ملا۔ان کے دادا اکبر میاں صاحب دیوان شاعر تھے۔چچا پروفیسر محمد وسیم الدین ایک اچھے شاعر اور کئی تحقیقی و تنقیدی کتابوں کے مُرتب تھے۔ساتھ ہی والد صاحب بڑا اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے شاید اسی لئے خاندان کے ذمہ دار افراد نے ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کی اگرچہ کہ عظیم راہی کا تعلق شہر اچل پور سے ہے لیکن ان کے ادبی جوہر اورنگ آباد کی سر زمین پر پہنچ کر کھلے۔ عظیم راہی کے افسانوں کے مجموعے اگلی صدی کے موڑ پر کے بارے میں ڈاکٹر مظفر حنفی لکھتے ہیں :

> "واقعات کو انوکھے زاویوں سے دیکھنے اور نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کا بھر پور احساس آپ کو اس کتاب کے مطالعے کے دوران ہوگا۔"

سید خورشید الدین :

قاضی سید حنیف الدین مسعودؔ کے پوتے اور حضرت سید فخر محی الدین کے فرزند سید خورشید الدین ۱۹۱۸ء میں اچل پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی و فارسی اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان پاس کر کے محکمہ ریلوے سے منسلک ہو گئے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے اور اسی محکمہ سے وابستہ رہ کر ۱۹۷۴ء میں وظیفہ یاب ہوئے۔ جس ماحول میں ہوش سنبھالا وہاں علم وادب اور شعر و سخن کا ذوق انتہائی عروج پر تھا۔ اچل پور کی شعری محفلوں میں شرکت کرتے کرتے دنیائے ادب میں خورشیدؔ اچل پوری کے نام سے روشناس ہوئے۔ کلام کا ایک مجموعہ بہ عنوان مد و جزر ۱۹۶۲ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ اپنے بزرگوں کا تذکرہ

تذکرۂ اسلاف کے نام سے ۱۹۸۳ء میں کراچی سے شائع کیا۔ یہ تذکرہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے نثر نگار بھی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اچل پور میں نثر نگاری کی روایت جاری رہے گی اور نئی نسلیں اس روایت کو نئی بلندیوں تک لے جائیں گی۔

☆☆☆

اچل پور کے جدید شعراء

ڈاکٹر سید صفدر

وہ بڑی بہار کا باغ تھا۔ شعر وادب، علم ودانش کی یگانۂ روزگار شخصیات سے بلدۂ پرُنور دارالسرور شہر اچل پور کو رونق تھی۔ محمد امین وفا اچل پوری، فائی دہداری، شاہ غلام حسین چشتی وغیرہم کے دم سے شعر وسخن کی دنیا میں اچل پور کی امتیازی حیثیت قائم تھی۔ پھر یوں ہوا کہ خزاں کے قافلے ہر چار طرف خیمہ زن ہو گئے۔

ہر چند کہ اب وہ بہار نقش ونگارِ طاقِ نسیاں ہو گئی ہے مگر یہ زرخیز سرزمین آج بھی زر افشاں ہے۔ اچل پور کے ہم عصر شعراء دنیائے شعر وادب میں اپنا اور اچل پور کا نام روشن کر رہے ہیں یہاں اچل پور کے نئے شعراء کا مختصر تعارف مقصود ہے۔

حفیظ خلش تسکینی :

آپ کا اصل نام حفیظ اور قلمی نام خلش تسکینی ہے۔ محکمۂ تعلیم کے ایک ذمہ دار عہدہ دار کی حیثیت سے حال ہی میں وظیفہ یاب ہوئے ہیں۔ طبیعت موزوں پائی ہے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے شعر کہتے ہیں۔ زود گوئی فنی معیار کو متاثر کرتی ہے یوں نہ شعر گوئی کی وہبی صلاحیت ہے اس لئے اکثر عمدہ اشعار دے جاتے ہیں۔ ہم عصر زندگی کا جبر اور جینے کا حوصلہ حفیظ کی شعری فکر کو محیط ہے۔ وہ خلش میں تسکین کا سامان مہیا کر لیتے

ہیں اور 'پیاس' کو سیلاب مان کر زندگی کا حق ادا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ پیاس کا سیلاب کے عنوان سے آپ کا شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے :

بس اتنی بات پہ جینا مرا حرام ہوا	ذرا سا اپنے حریفوں سے مختلف ہوں میں

اس کی بقا میں سیکڑوں شکلیں فنا کی ہیں	خود ہی دیا ہے خود ہی ہے طوفان زندگی

سیکڑوں دوست دھیان میں آئے	میرے آنگن میں جب گرا پتھر

غرور چھو نہیں سکتا مری طبیعت کو	خلش میں جانتا ہوں علم کا الف ہوں میں

قاضی سعید افسرؔ :

قاضی سعید افسرؔ اچل پور کے جدید شعراء میں ایک نمایاں نام ہے۔ اصل نام قاضی سیّد سعید الدین ہے۔ افسرؔ تخلص کرتے ہیں۔ شاعری کی ابتداء میں روایتی رنگ و آہنگ میں عمدہ شعر کہتے رہے۔ ممبئی ہجرت کرنے کے بعد جدید لب و لہجہ کا اثر قبول کیا۔ صبر و قناعت ان کا مزاج ہے اس لئے شہرت و ناموری سے بھی بے نیاز رہتے ہیں۔ گاہے گاہے کہیں ان کا کلام پڑھنے کو مل جاتا ہے اگر وہ مستقل طور پر اشاعت کلام کی فکر کرتے تو ہندوستان کے اہم جدید شعراء میں شمار کیے جاتے۔

فرد کی بے بسی، رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ، آدمی کی بے چہرگی، احساسِ ذات اور حالات کا جبر سعید افسرؔ کے یہاں بھی بیان ہوا ہے مگر یہ فیشن زدگی کے تحت نہیں بلکہ زندگی کے کرب کو جھیل کر سعید افسرؔ نے بیان کیا ہے اس لئے کہیں کہیں ان کا لہجہ تلخ

بھی ہو گیا ہے۔ یہ مضامین ہم عصر شاعری میں عام سہی مگر جس طرح سعید افسر نے شعری پیکر میں تخلیق کیے ہیں وہ ان کی خلاقانہ صلاحیتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ نمونتاً چند اشعار ملاحظہ فرمائیں :

کس طرح سے دیکھوں مرے ہمسائے کی صورت
دیوار وہ حائل ہے کہ روزن بھی نہیں ہے

گھر کے فاقوں کی کہانی چوک تک جانے نہ پائے
ایک چادر سی دھویں کی چھت پہ لہرائے رکھو

ان کی روحوں کو پرکھ' آدمی ہے بھی کہ نہیں
صرف صورت پہ نہ جا' جبہ و دستار نہ دیکھ
اپنے آنگن میں ہی کر فکرِ نموئے گلشن
کوئی جنّت بھی اگر ہو پسِ دیوار نہ دیکھ

حیدؔر بیابانی :

حیدؔر بیابانی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ مقتدر ادبی رسائل میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ خصوصاً بچوں کے لیے آپ نے بہت لکھا ہے ان کتابوں پر مختلف اکادمیوں سے حیدؔر بیابانی کو انعامات بھی ملے ہیں۔

بچوں کے لیے دلچسپ اصلاحی نظموں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے لیے بھی گیت اور نظمیں آپ کے قلم سے نکلی ہیں۔ کھٹی میٹھی باتیں کے عنوان سے

آپ کا شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ نسائی جذبات واحساسات کو ریشمی الفاظ و محاورات میں بیان کرنے میں حیدؔر بیابانی کو بڑی مہارت حاصل ہے۔ گھر آنگن کی حسین، رنگین اور محبت بھری زندگی کے جیتے جاگتے مرقعے حیدؔر بیابانی کی نظموں اور گیتوں میں اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ حیدؔر کا اندازِ بیان فراقؔ گورکھپوری کی 'روپ' کی رباعیات کی یاد دلاتا ہے۔ رنگ رس اور روپ سی سجی ہندوستانی گھریلو زندگی حیدؔر بیابانی کی شاعری میں آباد ہے۔ یہ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلے پان کا بیڑا کھالوں پھر لوں اسکا پیارا نام
سرخ لبوں پر خوب سجے گا ساجن کا متوارا نام

نظروں کی میزان پہ ساجن میرا یوون تولے ہے
آج سہیلی پروائی کے سنگ میرا من ڈولے ہے

آج غصے میں ہے وہ' ان کو شکایت ہے بہت
میں رہوں چپ کے مجھے ان سے محبت ہے بہت

من اسکا ہے تن اسکا ہے سارا جیون اسکا ہے
جذبوں کا آنگن اس کا سارا یوون اس کا ہے

گذشتہ چند برسوں سے حیدؔر بیابانی نے اپنے آپ کو ادب الاطفال کے لیے مختص کر لیا تھا اب وہ پھر گیت غزل کی تخلیق کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ ہمیں امید ہے وہ اس راہ میں نئے افق دریافت کریں گے۔

متینؔ اچل پوری :

متینؔ اچل پوری نجی زندگی میں ایک سیدھے سچے مسلمان ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ تبلیغ واشاعتِ دین کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔ مگر وہ بہ حیثیت شاعر پند و نصیحت کے دفتر مرتّب کرنے کے قائل نہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ وہ شعر اسی وقت کہتے ہیں جب فی بطن شاعر خوابیدہ نابغہ جاگ اٹھے اور لفظوں سے کرنیں ان کے نہاں خانۂ وجود کو منوّر کردیں۔ اگرچہ ایمان وایقان اور صدق وصفا ان کی شعری فکر کو مستولی ہیں مگر جب شعر تخلیق ہوتا ہے تو اس شان کا ہوتا ہے کہ مومن وفاجر دونوں سبحان اللہ کہہ اٹھیں یہ اشعار نظامِ تخلیق شعر سے شاعر کی باخبری کے مظہر ہیں :

ذہن جاگا تو قلم کی نوک جگنو بن گئی
ظلمتوں پر چوٹ کرنے حرف تابندہ ہوا

وہ تجلی زار جگنو سے عیاں ہوتا نہیں
حسن معنی چار لفظوں سے بیاں ہوتا نہیں

قلبِ شگفتہ فکر جمالی — ہم نے اپنی راہ نکالی

تجلی زار ہوا ہے غزل کا آئینہ — یہ برکتیں ہیں سلام ودرود کی بابا

یہ غزل ہے کہ ڈالی چنبیلی کی ہے — سادگی دیکھنا تازگی دیکھنا

قلم کیسے موتی کے عنوان سے بچوں کے لئے لکھی گئی نظموں کا مجموعہ شائع ہوچکا ہے۔ ایک طویل نظم 'قصیدۂ رحمت اللعالمین' بھی شائع ہوئی ہے۔ نیا

شعری مجموعہ 'تجلی زار' کے عنوان سے ترتیب دیا ہے۔

سیّد صفدر :

سید صفدر کی دو کتابیں شاعری اور شیوۂ پیغمبری اور جدید شعری تنقید شائع ہو چکی ہیں۔ دونوں کتابیں تنقیدی تصنیفات ہیں۔ تیسری کتاب قلقل آبِ وضو ان کا شعری مجموعہ ہے۔ صفدؔر شاعری کی بہ نسبت تنقید نگار کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ ویسے ان کی شعری تخلیقات صف اول کے ادبی رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قلقل آبِ وضو آزاد اور نثری نظموں پر مشتمل ہے۔ نظموں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صفدؔر کو زبان و بیان پر جو قدرت حاصل ہے وہ ان کی وہبی صلاحیت کے ساتھ ساتھ وسیع مطالعہ کا بھی ثمرہ ہے۔ ماہنامہ آہنگ میں مرحوم کلام حیدری نے ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا تھا :

> "شاعر کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر ان کی شاعری انکی عمر سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔"

نظم استعارہ، علامت اور پیکر سے عبارت ہے یہی عناصر نظم کی تعمیر میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔ صفدؔر کی نظموں میں نئی لفظیات، نئے استعارے اور علامتیں ایک نئی تخلیق کردہ شعری کائنات کا تعارف کراتی ہیں۔ نئی شاعری نے سکہ بند ہیئت، روایتی اسلوب اور مروجہ لفظوں کی بت شکنی کی ہے۔ صفدر کی شعری کائنات میں بھی اس اعتبار سے نئی جہتیں دکھائی دیتی ہیں۔ مختلف نظموں سے مختصر اقتباسات پیش کرتا ہوں ان سے شاعری کی خلاقانہ صلاحیت کا اچھا تاثر ابھرتا ہے :

کورا کاغذ مجھے عورت کا بدن لگتا ہے (نظم : کورا کاغذ)

ہرے ہرے ہیں گناہ کے کھیت رات کے نم سے پل رہے ہیں
(نظم : ہرے ہرے کھیت)

آسمانوں سے برستی سیہ سیال گاڑھی خامشی (نظم : تلاش کا پہلا لمحہ)

تھکا سورج مرے سائے میں تھوڑی دیر ستائے
مرے افکار کی کرنیں پڑیں صحرا سمندر پر
(نظم : وہ لمحے)

جسم کی مٹی تلے رکھے گناہ کے بیج اٹھتی ہوئی کونپل ہنسے (نظم : استغفر اللہ)

کتاب، تین حصوں میں منقسم ہے پہلے حصہ کو "قلقل آب وضو" کا نام دیا گیا ہے اس حصے میں شامل نظمیں روایتی، مذہبی اور صوفیانہ شاعری سے مختلف ہیں نئی دنیا کی ہلاکت خیزیوں کے درمیان رہتے ہوئے ایک منزہ روح پر جو کچھ گزرتی ہے وہ اس کا شعری بیان ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے کو 'ایسا کیوں ہوتا ہے' کا عنوان دیا گیا ہے اس حصہ میں شامل نظمیں معاصر زندگی کی خون آشام صورت حال کا منظر نامہ ہے۔ صفدر کے یہاں احساس اور تخیل کی یکجائی نے ان نظموں کو خبرِ محض ہونے سے بچالیا ہے۔

اس حصے کی نظموں میں 'کنواں کہاں تک چھن چھن بولے'، 'ایک فساد زدہ نظم'، 'تلاش کا پہلا لمحہ'، 'فرشتے کیا کریں' اور 'آخری بدکار' بہت کامیاب نظمیں ہیں۔

کتاب کا تیسرا حصہ 'نفیس حیرانیاں' ہیں اس حصے میں شامل نظمیں زندگی کی بوقلمونی کو شعری تعمل کا موضوع بناتی ہیں۔

(نوٹ : سید صفدر کی شاعری پر تبصرہ عارج میر کا لکھا ہوا ہے)

☆☆☆

اہلِ اچل پور کی تصنیفات اور رسائل

خان بہادر سید امجد حسین خطیب :

۱۔ تاریخِ امجدی (فارسی) مطبع خورشیدیہ حیدرآباد۔ ۱۸۷۰ء
۲۔ دیوان امجد فی مدحِ احمدؐ مطبع فیض منبع۔ راول پنڈی ۱۸۹۶ء

خان بہادر سید عظمت حسین خطیب :

۱۔ جہادِ رحمانی
۲۔ ایلچپور۔ ۱۳۲۷ھ
۳۔ رسالہ نور الابرار

خان صاحب سید عبدالرزاق ذاکر :

۱۔ گلزارِ ولایت ۱۸۹۲ء
۲۔ سوانح عمری نواب محمّد اسمٰعیل خان پنی ۱۹۰۶ء
۳۔ ناگ پور عزیز پریس۔ آگرہ ۱۹۱۰ء
۴۔ سوانح عمری خانبہادر ایچ۔ ایم۔ ملک ۱۹۲۶ء

۵۔ *Islam the Religion of Humanity*

Theosophical Publishing House(Madras - 1930)

۶۔ انّما الاعمال بالنّیات

۷۔ اسلام اور ہم

۸۔ رسالہ مصدّق اکولہ

محمد ابراہیم شرارؔ :

۱۔ عربی سیکھئے

پہلاایڈیشن ۱۹۵۳ء

دوسراایڈیشن ۱۹۵۴ء

تیسراایڈیشن ۱۹۸۴ء، عزیز پریس ناگپور

چوتھاایڈیشن اقراءآڈیوانیڈ پبلیکیشن، ناگپور

۲۔ رسالہ انیس ماہنامہ

۳۔ محشر ماہنامہ

محمد مہتاب خان :

۱۔ تذکرۂ رحمانی

پہلاایڈیشن ۱۹۵۸ء

دوسراایڈیشن ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر سید نعیم الدین :

۱۔ عرفی کے غیر مطبوعہ قصائد، آزاد کتاب گھر، دہلی۔ ۱۹۵۶ء
۲۔ انشاء کا ترکی روزنامچہ، ترقی اردو بیورو، دہلی۔ ۱۹۷۹ء
۳۔ مرید ہندی، آزاد کتاب گھر۔ دہلی۔ ۱۹۹۲ء

شیخ قاسم رضا :

حساب، الجبراء اور جیومیٹری کی مہاراشٹر ایجوکیشن بورڈ سے منظور شدہ درسی کتب

۱۔ جدید حساب : پنجم تا ہشتم جماعت کیلئے۔
۲۔ جدید الجبراء : ششم تا ہشتم جماعت کیلئے۔
۳۔ جدید جیومیٹری : پنجم تا ہشتم جماعت کیلئے۔
۴۔ ریاضی بطرز جدید : ہشتم جماعت کے لئے۔
۵۔ ریاضی کی کتب کے تراجم (مکمل سیٹ)

ڈاکٹر سید عبدالرحیم :

۱۔ تذکرہ مشاہیر برار (تالیف)، اعجاز پرنٹنگ پریس، حیدرآباد ۱۹۸۲ء
۲۔ کلمات، شاہد پریس، ناگپور ۱۹۹۵ء
۳۔ دیوان شاہ سید غلام حسین چشتیؒ ایلچپوری، (ترتیب) ماڈرن پرنٹ، ناگپور ۱۹۹۸ء
۴۔ تذکرہ شاہ سید بدرالدین عرف دادا حیات قلندر، (ترتیب) ماڈرن پرنٹ ناگپور ۱۹۹۹ء

۵۔ Arabic, Persian and Urdu Inscriptions of Central India: A Topographical List (New Delhi - 2000)

۶۔ چراغِ برار۔ مولفہ امجد حسین خطیب (ترتیب) امراوتی۔۲۰۰۱ء

قاضی سید خورشید الدین (خورشید اچل پوری) :

۱۔ مدّ و جزر (مجموعۂ کلام) ۱۹۶۳ء

۲۔ تذکرۂ اسلاف (نسب نامہ)، مکتبۂ الفکری۔ کراچی ۱۹۸۳ء

ڈاکٹر اقبال احمد خان :

۱۔ شرح قصیدہ مدیح خیرالمرسلین، آزاد کتاب گھر۔ دہلی ۱۹۶۴ء

۲۔ اردو شاعری میں ہندوستانی عناصر، سلیم کتاب گھر۔ ممبئی ۱۹۹۷ء

۳۔ قرآنی اوامر و نواہی امراوتی۔ ۱۹۹۹

عبدالحفیظ خلش تسکینی :

۱۔ پیاس کا سیلاب، نگینہ پریس، اچل پور، ۱۹۸۸ء

ڈاکٹر سید صفدر :

۱۔ شاعری اور شیوۂ پیغمبری ۱۹۸۲ء

۲۔ جدید شعری تنقید ۱۹۹۲ء

۳۔ قل قلِ آبِ وضو ۱۹۹۵ء

متینؔ اچل پوری :

۱۔ قلم کے موتی (طلبہ کے لئے نظموں کا مجموعہ)

۲۔ ننھے منّے گیت (نرسری گیت)

۳۔ قصیدہ رحمت اللعالمین ۱۹۹۸ء

۴۔ تجلی زار۔ (شعری مجموعہ)

حیدؔر بیابانی :

۱۔ ننھی منی باتیں۔ (حصہ اول۔ دوّم۔ سوم، چہارم)

۲۔ کھٹی میٹھی باتیں

۳۔ الٹی سیدھی باتیں

۴۔ چشم دید

۵۔ بے زبانوں کی دنیا

۶۔ تعلیمی زیور

بابو۔ آر۔ کے :

۱۔ خطا معاف۔ امراؤتی ۱۹۹۰ء

۲۔ ہو بہو اچل پور ۱۹۹۱ء

۳۔ الف سے اونٹ

۴۔ آؤ سوچیں

عظیم راہی :

۱۔ اگلی صدی کے موڑ پر (افسانوں کا مجموعہ) ۱۹۹۴ء

۲۔ پھول کے آنسو (افسانچوں کا مجموعہ)

شیخ عظیم اچل پوری نے بھی بہت سے کتابچے شائع کیے جن میں مسلمانوں کے تعلیمی اور معاشی مسائل پر بحث کی گئی ہے انکے علاوہ چند شہروں کی تاریخ بھی مرتب کی ہے۔

☆☆☆

سیمنار
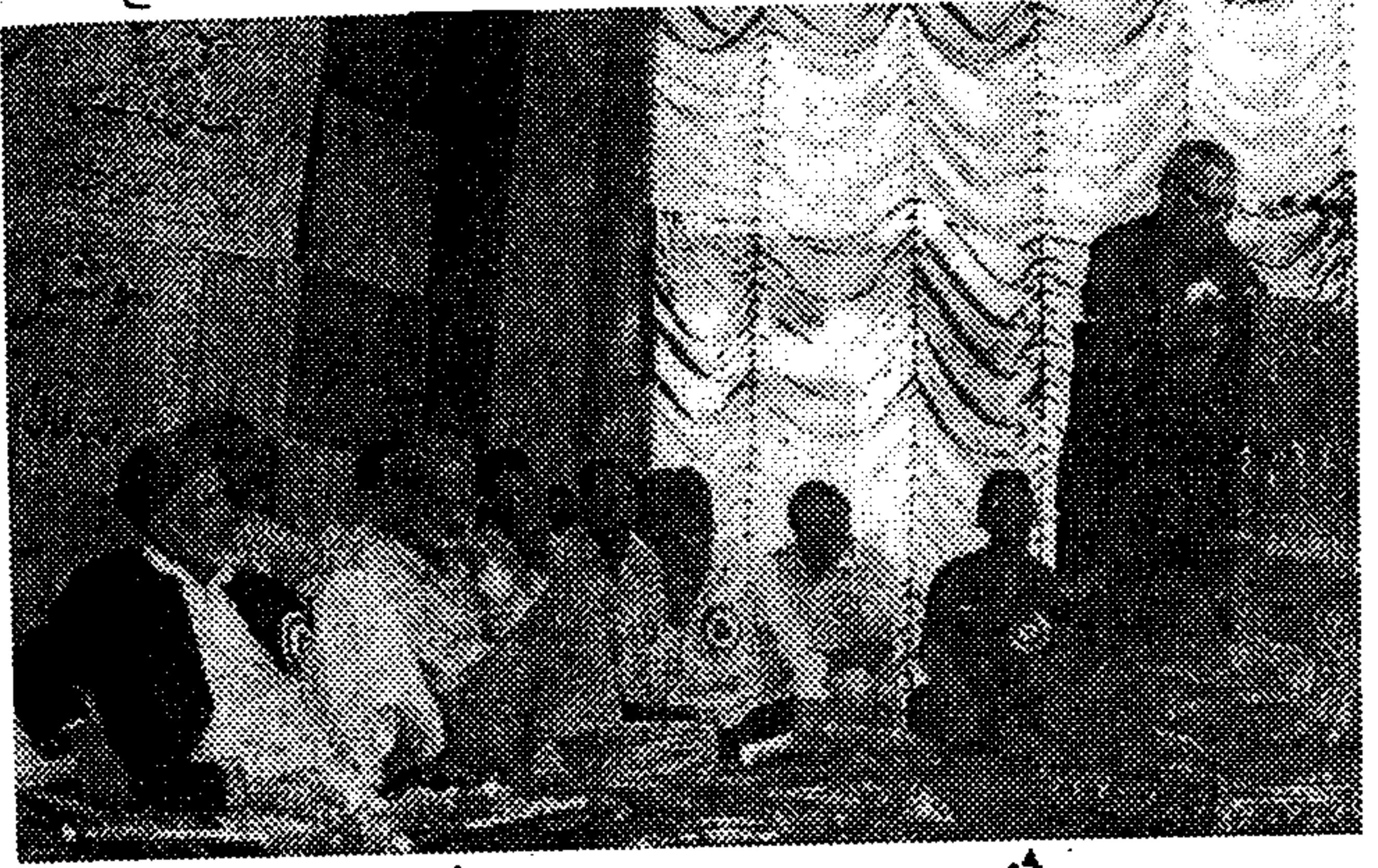
جناب شیخ قاسم رضا خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے، سٹیج پر دیگر مہمان محوِ سماعت
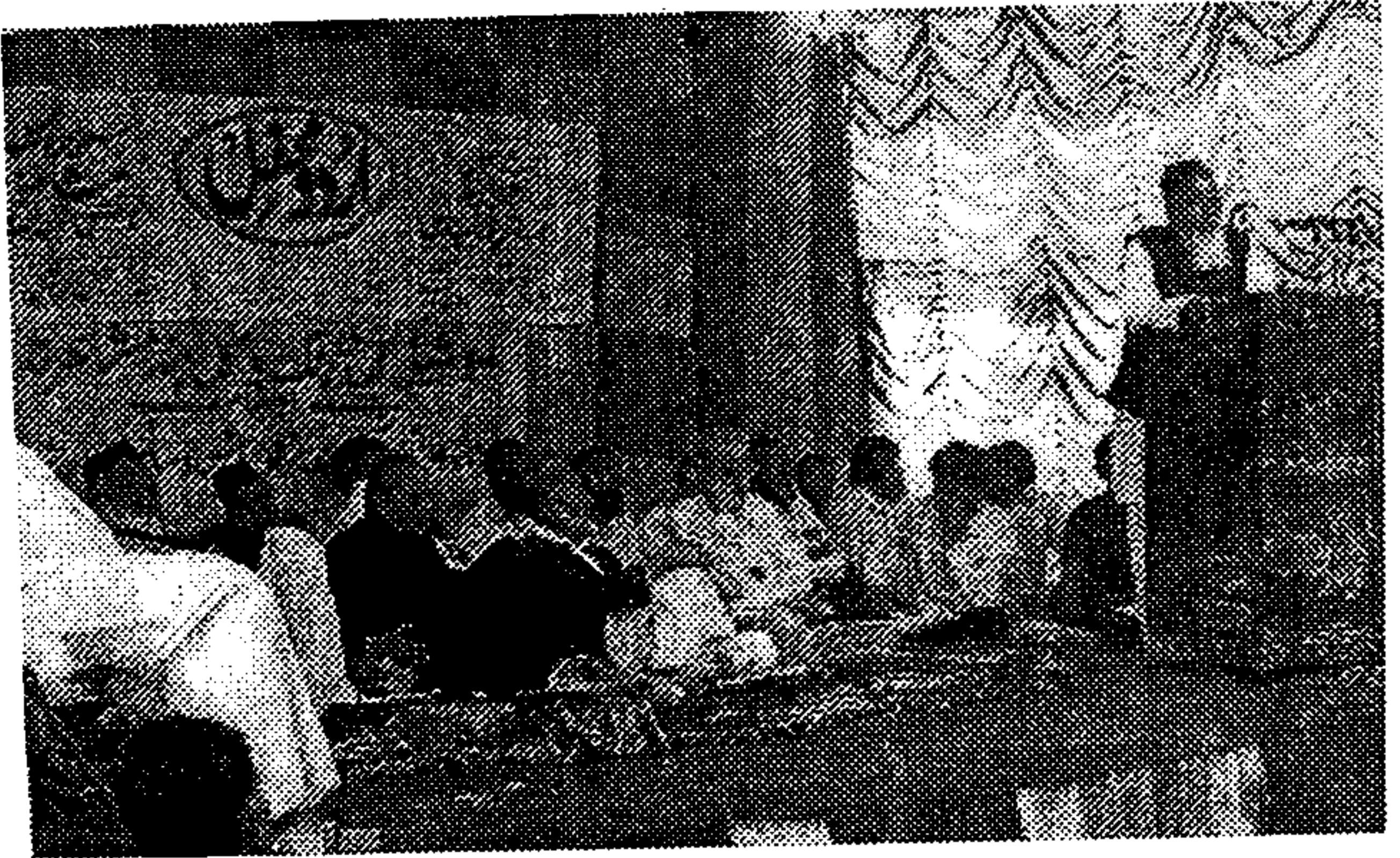
'دیوانِ حسین' کے اجراء کے بعد اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبدالرحیم
سٹیج پر بائیں سے: ڈاکٹر منشا، شیخ قاسم رضا، بسم اللہ خاں اور ڈاکٹر سید نعیم الدین صاحبان

سیمنار : ایک روداد

اچل پور شہر کے شکستہ در و دیوار نے، جو شاہوں کی طمطراق اور فقیروں کی بے سامانی کے منظروں کے امین رہے ہیں، بہت عرصے بعد ایک منظر وہ بھی دیکھا جب اچل پور کی تاریخ اور ثقافت کے نئے پرانے، چھوٹے بڑے افسانے ایک فلیش بیک کے انداز میں دہرائے گئے۔

۴ر اور ۵ر جنوری ۱۹۹۷ء کے دو دن اچل پور کے معمول میں یوں آئے جیسے کیلنڈر نے یہ دو دن گذشتہ دور سے مستعار لیے ہوں۔

ہوا یوں کہ ایک سید زادے کی مستقل ضد کے آگے ایک پٹھان نے گھٹنے ٹیک دیے --- استاذی ڈاکٹر سید عبدالرحیم نے آخرِ کار ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاء، رکن مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کو اس بات پر راضی کر ہی لیا کہ حسبِ منشاء مشاعرہ تو ہوگا لیکن اس سے پہلے اچل پور کی تاریخ اور ادب پر ایک سیمنار بھی ہوگا --- دراصل موقع تھا شاہ غلام حسین چشتیؒ کے دو سو سالہ جشن کے انعقاد کا --- بس پھر کیا تھا، استاذی کے ولولوں کو پر لگ گئے، انھوں نے دن رات ایک کر کے اِدھر دیوانِ حسین بھی ترتیب دے لیا کہ اس موقع پر جاری کر دیا جائے اور اُدھر جناب شیخ قاسم رضا، وطن کی مٹی کے بلاوے پر دوڑے چلے آئے۔ اِدھر جناب ڈاکٹر سید نعیم الدین اپنے ضعف کو بھول کر اچل پور کی طرف خود رفتہ ہو گئے اور اُدھر ڈاکٹر منشاء اپنے جوان پٹھوں کو ساتھ لیے میدانِ کارزار میں ڈٹ گئے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ سیمنار ڈاکٹر منشاء کے حوصلوں سے ہی انجام پا سکا۔ پھر محکمۂ آثارِ قدیمۂ ہند کی عربی فارسی کتبہ شناسی شاخ

کے سر براہان مہربان ہوئے تو انھوں نے اچل پور کے کتبات اور عمارات کی نادر تصاویر لی ایک نمائش کا بھی وعدہ کر لیا۔ اِدھر رحمانیہ ہائی اسکول اور جونیر کالج کی انتظامیہ کمیٹی پرنسپال، اسٹاف اور طلبہ نے اپنی گیدرنگ کو اس تقریب سے منطبق کر کے ایک اور خوبی پیدا کر دی۔ یہ سب کچھ کیا کم تھا کہ 'سونے' جیسے سلسلۂ تقاریب پر سوشیل لیدرنگ کا سالانہ مشاعرہ 'سہاگے' کے طور پر شاملِ زینت ہو گیا۔

۴؍ جنوری ۱۹۹۷ء کو سیمنار بعنوان "اچل پور : تاریخ و ادب کے آئینے میں" منعقد ہوا جس کی صدارت جناب شیخ قاسم رضا نے فرمائی۔ سیمنار کا آغاز افتتاحی تقریب سے ہوا جس میں ڈاکٹر منشاء کے افتتاحی کلمات کے بعد جناب سید نعیم الدین کے ہاتھوں دیوانِ حسین کا اجرا ہوا، اسی موقع پر ڈاکٹر سید عبدالرحیم کی کتاب کلمات کا اجراء بھی بدستِ جناب سید عبدالغفار انجام پایا۔ دو نشستوں پر مشتمل اس سیمنار میں ودربھ کے علمی اور ادبی حلقوں کے مقتدر اسکالرز نے اچل پور کی تاریخ اور ادب پر جامع مقالے پڑھے۔

سیمنار کے شرکاء تھے، جناب قاسم رضا (حال مقیم ممبئی، جنھوں نے صدارتی خطبے سے نوازا)، ڈاکٹر سید نعیم الدین (سابق پرنسپال، ودربھ مہاودیالیہ، امراوتی)، ڈاکٹر سید عبدالرحیم (سابق ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشیل سائنسز، ناگپور) ڈاکٹر عبدالباسط (سابق پرنسپال جگد مبا کالج)، ڈاکٹر وسیم دردانہ باسط (سابق پروفیسر، امراوتی)، ڈاکٹر محمد یٰسین قدوسی (ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ، محکمۂ آثارِ قدیمۂ ہند، ناگ پور) ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن (سابق ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر، ناگپور)، ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحلؔ، ناگپور، ڈاکٹر سیّد صفدر، ورود، جناب سید غلام علی، اچل پور اور ڈاکٹر خواجۂ غلام السیدین ربّانی (اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ، محکمۂ آثارِ قدیمۂ ہند، ناگپور)۔ اس موقع پر اچل پور کی

عمارات کی نادر تصاویر، کتبات، مخطوطات، اور سکوں کی ایک نمائش بھی کی گئی، جو محکمۂ آثارِ قدیمۂ ہند، ناگپور اور ڈاکٹر ابرار حسین خطیب کے خاص تعاون سے انجام پاسکی۔

ان دو روزہ رنگا رنگ تقاریب کا اختتام ۵ / جنوری ۱۹۹۷ء کی شب میں منعقدہ ایک عظیم الشّان مشاعرے پر ہوا جس میں ودربھ اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مدعو شعراء نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ مشاعرے کی صدارت ڈاکٹر منشاؔ نے فرمائی اور نظامت خواجہ ربّانی نے کی۔ کچھ 'باذوق اور کہنہ مشق' سامعین نے شعراء کو صرف سنا... لیکن واحد مہمان شاعرہ کو نہارا بھی اور سراہا بھی۔

جملہ تقاریب میں رحمانیہ ہائی اسکول و جونیر کالج کی انتظامیہ کمیٹی کے عہدیداران، پرنسپال، اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ اہلِ اچل پور نے اپنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے مہمان نوازی اور ادب دوستی کا مظاہرہ کیا۔

اس موقع پر ڈاکٹر منشاؔ، قاضی سعید افسرؔ اور بابو۔ آر۔ کے نے جو شعری اور نثری ادب پارے پیش کیے تھے انھیں بھی شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔

یہ تو باتیں ہوئیں سمعی سرمائے کو تحریری لباس دینے کی۔ لیکن ان تقاریب کے کچھ لمحے ایسے بھی ہیں جو ابھی بھی گذرے نہیں ہیں۔ فوٹو گرافر کے لینس کی مدد سے محفوظ کیا ہوا یہ بصری سرمایہ بھی قارئین (ناظرین) کی نذر ہے۔

مرتّب کے قلم سے
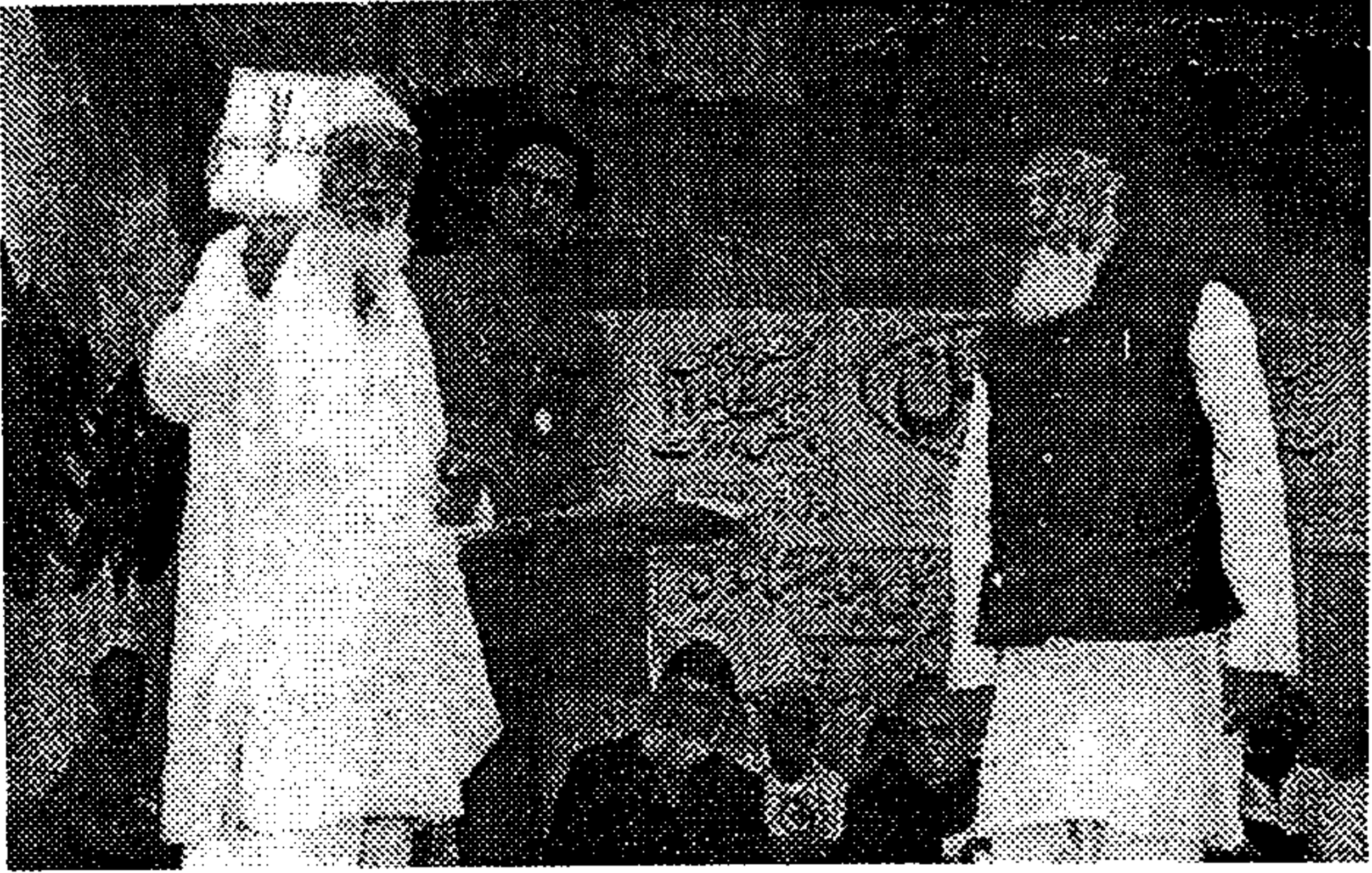
جناب سید عبدالغفار، ڈاکٹر سید عبدالرحیم کی کتاب 'کلمات' کا اجرا کرتے ہوئے درمیان میں خواجہ ربانی بھی نظر آرہے ہیں۔ سٹیج پر بیٹھے ہوئے بائیں سے: ڈاکٹر یاسین قدوسی، ڈاکٹر منشا، پرنسپال باسط، شیخ قاسم رضا، ڈاکٹر شرف الدین ساحل اور ڈاکٹر سید نعیم الدین

اجرا کے بعد ڈاکٹر سید عبدالرحیم سے 'کلمات' کی پہلی کاپی حاصل کرتے ہوئے جناب شاہ میر خاں، پرنسپال رحمانیہ جونیر کالج، اچل پور

بیادِ شاہ غلام حسین ایلچ پوری

ڈاکٹر منشاء الرّحمن خاں منشاؔ

اک صاحب کمال سخنور کی یاد میں — ہے اجتماع ، صوفیٔ اظہر کی یاد میں
صوفی کہ نام نامی تھا جسکا غلام حسین — خدمت کو خلق کی جو سمجھتا تھا فرضِ عین
فیضانِ حق سے طبع رسا تھی جنھیں نصیب — جن کا مذاقِ شعر و سخن تھا بڑا لطیف
حسنِ بیاں میں انکے کشش تھی عجیب سی — اور تھی زباں میں دکنی و ہندی ملی ہوئی
کیا کیا نکاتِ باطنی کھولے ہیں آپنے — عرفانی موتی کتنے ہی رولے ہیں آپنے
ایکتا کی باتیں آپنے کی ہیں بصد کمال — آیا ہے جن سے رنگِ سخن میں بہت جمال
شمہ نہیں ہے ان کے یہاں بھید بھاؤ کا — ہر قول اک نمونہ ہے فکری رچاؤ کا
اُن کے سخن کا موضوع ہے انسان دوستی — آپس میں بھائی چارگی و صلح آشتی
دوسو برس کے بعد چھپا آپکا کلام — اہلِ ودربھ کو ہو مبارک یہ نیک کام
شکر خدا کہ سعیٔ رحیم بارور ہوئی — تشہیر ہونی چاہیے ایسے کلام کی

دیرینہ خواب اے خوشا پورا ہوا ہے آج
نادر خزانہ منشاؔ ہمیں مل گیا ہے آج

☆☆☆

تذکرۂ ادب آباد

قاضی سعیدافسر

سرزمینِ شہر ایلچ پور ! اے میرے وطن　　　رزم گاہِ شہ سواراں بزم گاہِ شعر و فن

ثبت ہے تاریخ میں اب تک ترا نامِ کہن　　　آگیا ہے آج اس ماہِ دُرخشاں پر گہن

تیرے ماضی کا اُجالا حال پر آتا نہیں

کوئی تیری داستاں تک آج دُہراتا نہیں

اے گذر گاہِ عساکر! - خانقاہِ عارفاں　　　ست پڑہ کی سات دیواریں ہیں تری پاسباں

سانپن و بچھن ہیں گویا دو محافظ ندیاں　　　از نہال سبز وہ چاندی اگلتی کھیتیاں

اے خیابانِ تخیل! اے مرے دارالقرار

شہر ایلچ پور یعنی گوہرِ سی پی برار

خاندانِ ایل نے آباد تھا تجھ کو کیا　　　اور اسیرِ پنجۂ بے داد تھا تجھ کو کیا

شاہ زادہ غزنوی نے شاد تھا تجھ کو کیا　　　جسم بے سر نے کبھی آزاد تھا تجھ کو کیا

نوشۂ رحمٰن کا جس دن تو مسکن بن گیا

اس تفاخر کے سبب شہروں کی دلہن بن گیا

بہمنوں کو ناز تھا تجھ پر پٹھانوں کو غرور　　　تو عمادی سلطنت کے تاج میں اک لعلِ نور

تھا نظامِ وقت کو بھی تجھ سے حاصل اک سرور　　　اور وہ اسمٰعیل خاں پنی وہی مردِ غیور

جس نے پہنائی تری گردن میں زنجیرِ حصار

اور اپنی جاں نچھاور کرگیا وہ جانثار

گردِ دوراں کھا گئی سارے حسیں نقش و نگار
پھر بھی کچھ آثار اب تک شہر میں ہیں بر قرار
وہ فنِ تعمیر کا شائق جہاں گیرِ برار
شہ جہانِ شہرِ ایلچ پور جنرل نامدار

جس نے کی بارہ دری باغِ صبا آراستہ
قصر آئینہ بنایا اور شیشہ راستہ

شہر کو تھا پارچہ بافی میں حاصل امتیاز
تھی یہاں کاغذ کی صنعت یہ نہیں اب کوئی راز
جن کی فنکاری پہ تھا اہلِ شجاعت کو بھی ناز
کیسے کیسے باہنر بارود گر شمشیر ساز

فکرِ دنیا اہلِ حرفت اہلِ فن کو کھا گئی
دھول ناقدری کی پورے چاند کو گہنا گئی

دیکھ اے ذوقِ تماشا دیدۂ نمناک سے
کیسے کیسے نامور اٹھتے رہے اس خاک سے
پھر کوئی ویسا نہ آیا گردشِ افلاک سے
گرم بزمِ سرد جن کے شعلۂ ادراک سے

بے خبر ہے اک زمانہ وہ زمانے دفن ہیں
خاک اڑاتے شہر میں کیا کیا خزانے دفن ہیں

ایک وہ البیلا شاعر خسروِ ملکِ برار
وہ غلامِ شہ حسین، تھا صلحِ کل جس کا شعار
جسکی دنیا دین میں گم، جسکا دیں خلقت سے پیار
خالقِ یکرنگ نامہ یوں کہے تھا بار بار

گھڑنے والا ایک، نائی ایک، بھانڈے ایک ہیں
کس لئے لڑتے ہیں جب ملا و پانڈے ایک ہیں

آج تم روتے ہو یک جہتی کو اور وہ دور ہیں
وحدتِ کل کا مبلغ، داعیِ دینِ مبیں
آج سے ڈھائی صدی پہلے باندازِ حسیں
دے گیا درسِ محبت جو ہمیں بھولا نہیں

کیا لگن تھی 'نامہ' اس کا آج تک بھی یاد ہے
یہ خرابہ آج اس کی یاد سے آباد ہے

وہ تخیّل کی بلندی وہ بیاں میں سادگی　　وہ سلاست و بلاغت وہ زباں کی چاشنی
گرچہ وہ شمعِ ادب دو سو برس پہلے بجھی　　آج تک بھی ذہن کو پہنچا رہی ہے روشنی

وہ لگن نامہ کا شاعر خود تو پیو سوں جا ملا
جشنِ دو صد سالہ اس کی یاد کا ہے سلسلا

ساکنانِ شہر ایلچ پور! خوش قسمت ہو تم　　باہمہ افلاس و فاقہ، صاحبِ دولت ہو تم
شہرِ مردانِ خدا میں وارثِ عظمت ہو تم　　سخت حیرت ہے کہ محوِ عرصۂ غفلت ہو تم

غیر بتلاتے ہیں تم کو سو قرینے چھانٹ کر
تم کو قدرت نے دیئے ہیں کیا نگینے چھانٹ کر

وہ گہر، انساں، وفا، رنگیں، نفیسِ باوقار　　امجد و مسعود، مشتاق و کرم، خورشیدِ زار
آغا، بیدل، یاور و شمشیر اور جوش و شرار　　شور ہند و پاک میں تھا نام جس کا آشکار

نکتہ داں، قادر بیاں، بالغ نظر شاعر سلیم
ایک ناقد اک محقق ڈاکٹر سید نعیم

ساکنانِ شہر تم بابِ تجسس کھول لو　　اب بھی کچھ بگڑا نہیں یہ بکھرے موتی رول لو
نقد کی میزان پر تم اُن کے جوہر تول لو　　کام یہ بے مول کرلو اور بہا انمول لو

تم امینِ عظمتِ رفتہ ہو رکھنا یاد تم
یہ ادب آباد رکھنا تا ابد آباد تم

آج افسر دے رہا ہے دعوتِ کارِ جلیل　　اٹھ گئی تہذیب ماضی گر گئی اونچی فصیل
راہِ حق میں ہو رہی ہے قوتِ باطل دخیل　　ملکِ رحمٰں پر ہے قابض آج پھر سے آلِ ایل

کھو دیئے گوہر ملت بچانے کو اٹھو
سر بچانے کی نہ سوچو سر کٹانے کو اٹھو

☆☆☆

باتاں میری مٹی کیاں

باہو۔ آر۔ کے

چونکہ میرے شہر کا نام اچل پور ہے اور ہندی لفظ اَچَل کے لغوی معنی ہوئے نہ چلنے کے۔ راشٹریہ لغت کی لغویت مشتبہ نہ ہو اس لیے میرا شہر نہ چلنے پر اٹل ہے۔ چونکہ شہر لوگوں سے معمور ہوتا ہے اور لوگ شہر سے منسوب ایسی صورت میں جب شہر اور شہری دونوں ہی نہ چلنے پر کمر کس لیں تب شہر کی ترقی اور شہریوں کی خوشحالی کا تصور بھی کفر ہے۔ ٹھیک اسی کیفیت سے دو چار میرا شہر اور اس کے باسی ہیں۔

میرے شہر کے لوگ ٹریفک کی اصولوں کی پامالی میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی ایک الگ ہی شناخت ہے۔ یہاں ہر ادنیٰ اور اعلیٰ عین بیچ سڑک پہ قیام کیے اپنے گھریلو جھگڑے دہرایگا، یہیں پیغام سلام کے مراحل طے ہونگے، اور یہیں مہر و کھاوٹی کے تصفیئے ہونگے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں معمولی لوگ بلغمی کھانسی سے لے کر گھٹیا کے درد تک کا رونا روئینگے اور جائے کسی میلے ٹھیلے، پنگھٹ یا کھیتوں کی منڈھیر کے نوجوان عُشّاق یہیں اپنی تیرہ بختی سے لے کر حسن کی ریشہ دوانیوں تک کے مرثیے الاپتے ملیں گے۔ الغرض میرے شہر کے لوگ سڑکوں پہ چلت پھرت کا عمل خال خال ہی دہراتے ہیں۔

ویسے سڑکوں کے ساتھ بے جا سلوک میں وہ حق بجانب بھی ہیں۔ ان

سڑکوں کا چہرہ بشرہ ہی اس کا متقاضی ہوتا ہے۔ بیوہ کی مانگ سے سیندور کی جو بیر ہے وہی تعلق تار کول سے ان کا ہے۔ اس دیرینہ رنجش کے ہاتھوں گڑھے اور جابجا خندقیں ہر چھوٹی بڑی سڑک کا مقدر بن کر اسپیڈ بریکر کے فرائض رضاکارانہ طور پر انجام دیتے آئے ہیں۔ اس لیے جہاں یہ گڑھے کوفت کا باعث ہے وہیں شہریوں کی جان کے امین اور محافظ بھی۔ مزید ستم یہ کہ شہر میں کہیں نہ کہیں واٹر سپلائی کے فرہاد کاندھوں پر تیشے لئے ان سڑکوں پر مشقِ ستم جاری رکھتے ہیں جس سے سڑکوں پر، زخموں میں بھرے مواد کی طرح ہمیشہ کیچڑ کی افراط رہتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ باراں کے دوران سڑکوں پہ چلنے والا ہر راہ رو اقبال کے اس مصرعہ کی تصویر نظر آتا ہے ع

اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

میرے شہر کے ارض و سما کیچڑ و دھول سے معنون ہیں۔ یہاں آمد و رفت کے لیے محبوب و مرغوب سواری تانگہ ہے۔ اس لیے دھول کے نام پر گھوڑے کی لید فضاؤں میں رقصاں رہتی ہے۔ موسم گرما میں ہوا سے اٹھکیلیاں کر کے یہ لید لبِ سڑک دوکانوں میں بچھے فرنیچر کے لیے غازہ فراہم کرتی ہے اور بیچارے دوکاندار اس لید آمیز گرد کو جھاڑ پھٹک کر کسی چندہ مانگنے والی ٹولی کی طرح باہر کر دیتے ہیں۔ جس طرح تاج محل کا نظارہ مدتوں انسانی اعصاب پر اپنا تاثر چھوڑتا ہے ٹھیک اسی طرح اس تانگے کا مختصر سفر جسم کو عرصۂ دراز تک مفلوج بنا کر چھوڑ دیتا ہے اور تمام ہڈیاں درد و ٹیس کا گہوارہ بن جاتی ہیں۔ یہ اس لیے بھی کہ کہاں ان تانگوں میں صرف چار سواریوں کی گنجائش اور کہاں پندرہ سولہ مسافروں کی بھر مار۔ ظاہر بات ہے کہ چار مسافر تو واقعی ان تانگوں میں بیٹھتے ہونگے اور بقیہ بارہ ان چار پہ سواری کستے ہوں گے اور مزید ظلم یہ کہ تانگہ مالک اس پر بھی قانع نہ رہ کر "ہے کیا ایک ؟" کی جگالی کرتا ہوا ملے گا۔ جہاں آپ

کو ملک میں ایک روپیہ کا نوٹ اور مفلس مزدور کے کھردرے پاؤں ہر جگہ پھٹے ملیں گے وہیں میرے شہر میں ان دو چیزوں کے علاوہ تیسری شئے یعنی اس معروف سواری کی چھت، جسے یہاں اصطلاح میں ٹپ کہتے ہیں، تانگہ مالک کی تمام تر احتیاط کے باوجود بھی پھٹا ملے گا۔ چونکہ اس تانگہ مالک کے لیے اپنے بال بچوں کے پیٹ کورے رکھنا محال ہوتا ہے تب یہ مجبور گھوڑے کے معدے کو بآسانی سونا رکھ لیتا ہے ایسی حالت میں گھوڑے کے چلنے یا دوڑنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تاہاں اکثر حالتوں میں یہ اڑ ضرور جاتا ہے اور بعض مواقع پر لوٹ بھی جاتا ہے۔ سفر کے دوران اس تانگہ مالک کے درپیش دو کٹھن مراحل ہوتے ہیں اور وہ بھی بیک وقت۔ ایک تو تانگے کی پھٹی چھت سے چھن کر آتی دھوپ یا جھرتے پانی سے مسافروں کا دھیان ہٹانا اور دوسرے مریل گھوڑے کی تل تل چال کی بوریت سے ان کی توجہ ہٹانا۔ اس لیے تانگہ مالک دال روٹی سے شروع ہو کر توپ میزائل تک اور الکشن کی دھاندلیوں کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم فسادات کی قیامت خیزیوں تک بے تکان تبصرہ کر کے اپنا جی ہلکا کر لے گا لیکن بہر طور آپ کو تانگے کی پھٹی چھت اور گھوڑے کی چال میں کیڑے ہرگز نہ ڈالنے دے گا۔ یہاں کے گھوڑے اور گدھے میں تفاوت صرف اس بنا پہ ہے کہ ایک کو گدھا کہتے ہیں تو دوسرے کو گھوڑا۔ ورنہ ناک، نقشے، حسن و صورت، عادات و خصائل میں یہ دونوں 'جیسے تم ویسے ہم' کے مصداق ہیں۔

بار برداری کے لیے یہاں چار چاکی لوڈ گاڑی کافی مقبول ہے۔ جتنی اہمیت رینڈیر کو ٹنڈرا میں یا اونٹ کو ریگستان میں ہے اتنی ہی مقبولیت اسے یہاں حاصل ہے۔ "ڈیڈ آرٹیکلس" کے زمرے میں آنے والی تمام اشیاء کے علاوہ خورد و نوش کی تمام لوازمات بھی ان ہی کے ذریعہ شہریوں تک پہنچتی ہیں۔ سبزی ترکاری سے قطع نظر

بعض اوقات تو یہاں کی کثیر آبادی کی بلاناغہ خوراک (بیل) بھی رسیوں میں جکڑی بازار سے سلاٹر ہاؤس تک اسی گاڑی پر لد کر آتی ہے۔ خوراک کی یہ جکڑبندی اسکی شہ زوری یا شرارت پہ دلالت نہیں کرتی بلکہ غماز ہوتی ہے اس کے نحیف و لاغر جسم ناتواں کی، جسے دو قدم چلنے کا بھی یارا نہیں ہوتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسی گاڑی پہ بیٹھ کر فقراء بھی دست سوال دراز کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی پہ زندگی کے جملہ بوجھ بھی ڈھوئے جاتے ہیں حتیٰ کہ (ڈولہ) بھی قبرستان سے مساجد تک اسی کے شانوں پہ چڑھ کے آتا ہے۔ الغرض یہاں کی زندگی اور موت اسی سے عبارت ہے۔

یہ میرے شہر کی تاریخی ٹریجڈی ہے کہ آپ اس کی حدود میں کسی بھی سمت سے قدم رنجہ فرمائیں، ایک مضبوط دیو ہیکل قدیم دروازے سے آپ کو گذرنا ہوگا۔ اب کوئی اس سے یہ نتیجہ نہ نکال بیٹھے کہ خدانخواستہ یہاں کے گھر، دروازوں سے قطعی بے نیاز یا ان کے وجود کے منکر ہیں۔ ویسے گھروں کے تعلق سے اتنا ضرور عرض کرتا چلوں کہ سارے ملک میں جب موسم برسات میں آسمان پر گھٹائیں اڈ اڈ کر آنے لگتی ہیں اور ان سے برستی پھوار کا ہلکا ہلکا جادو ہر سو چھانے لگتا ہے، جب ہولے ہولے ہلکورے لے کر مست خرام چلتی ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہواؤں کی مستی جوان دلوں میں آگ بھرنے لگتی ہے اور جب کالی اودی گھٹاؤں کے پس منظر میں ہرے بھرے شاداب درخت شرابیوں کی طرح ڈولنے لگتے ہیں اور ان پہ بیٹھی کوئل کی کوک کانوں میں رس گھولنے لگتی ہے ... تب ٹھیک ایسے نشیلے رومانی موسم میں میرے شہر کا ہر آدمی اپنے گھر کی چھت درست کرنے اس پر چڑھ بیٹھتا ہے اور انتہائی کرخت آواز میں بآواز بلند چلانے لگتا ہے، "کھپریل پر آدمی چڑھتا ہے، او جھل ہو جاؤ" اور ایسے ماحول میں اس آواز کی سچائی شاعر یا ادیب کے تخلیقی ذہن کو تصوراتی دنیا کی طلسماتی

وادیوں سے گھسیٹ کر اصلی زندگی کی تلخ سچائیوں میں لاڈبوتی ہے۔ ویسے اس نعرہ میں کلی طور پر اخلاقی قدریں تو پوشیدہ ہیں ہی لیکن پاس پڑوس کی مسلم خواتین کے لیے کرفیو کا سائرن بھی یہی نعرہ ہوتا ہے۔ اس لیے پڑوس کی ہر عورت جدھر سینگ سمائے ادھر دیوانہ وار آنگن سائبان چھوڑ سارے گھر میں چھپتی پھرتی ہے۔ اس وقت ان خواتین کو اپنی ہر چھوٹی بڑی خواہش سے باز رہ کر پردے میں دبکنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس قدیم نعرے کی تہذیبی روایات سے فرار ممکن نہیں۔ اور نہ ہی اوجھل ہو جانے کا حکم ان کے مجازی خداؤں کا ہوتا ہے کہ جسے وہ بآسانی رد کر دیں۔ اور یہ صاحب جو چھپر پر چڑھے ہیں کام کی تکمیل تک نیچے اترنے والے بھی نہیں اور نہ ہی ان خواتین میں اتنی جرأت ہوتی ہے کہ وہ اپنی بھدّی آواز میں یوں گرجے کہ ''آنگن میں عورت نکلتی ہے، نیچے اتر جاؤ۔''

میرے شہر کے دیو ہیکل دروازے اور پختہ فصیلوں کا حصار ماضی میں حکمرانوں کے لیے چاہے جیسی خدمات انجام دے چکا ہو لیکن زمانۂ حال میں شعراء برادری اور ان کی ملی بھگت، بے گناہ شہریوں کا ناک میں دم کیے ہوئے ہے کیونکہ یہاں کی ۸/۱ آبادی چاہے کچھ نہ ہو لیکن شاعر ضرور ہوا کرتی ہے اور جب شاعری کے مُہلک جراثیم شاعر کو نوچ پھاڑ کرنے لگتے ہیں تب وہ شعر موزوں کر کے سامع کا تعاقب کرنے لگتا ہے۔ اب سامع بیچارہ ایسی کسی امتحانی گھڑی سے چھٹکارا پانے کے لیے شہر سے قطعی کوچ کا ارادہ کر کے شمال کی سمت رختِ سفر باندھتا ہے تو دولہا گیٹ سے ذرا اِدھر مشتاق احمد مشتاق اپنے کٹیلے اشعار کے نشتر لیے سامع پر شب خون ماریں گے۔ انھیں چکمہ دے کر سامع جیسے ہی تھوڑا آگے بڑھے گا تو یہاں اس کی بدبختی کہہ لیجیے یا شاعر کی بلند اقبالی، عبدالحفیظ خلش تسکینی پختہ دروازے سے متصل فصیل کی آغوش

(بیگم پورہ) میں باہیں پھیلا کر "نوازش کرم شکریہ مہربانی" کہتے ہوئے سامع سے لپٹ جائیں گے۔ ایک تو شاعر اس پہ پہلوان یعنی کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا۔ بات یہیں تک رہتی تو مناسب تھا۔ ستم یہ کہ آپ کی شاعرانہ ذات ذوالقاب پر محیط ہے۔ غزلیات میں آپ خود کو خلشؔ تسکینی کہلواتے ہیں تو ہزلیات میں لقب عمرانؔ کا لیبل لگواتے ہیں۔ کہاں سامع کی مجبوری کہ وہ تنہا ایک شاعر سے بھاگے اور کہاں افتاد یہ کہ اسے ایک ذات میں دو شعراء کو بھگتنا پڑے۔

اب اگر سامع بوکھلا کر واپس قلبِ شہر میں پہنچے تو یہاں قاصد پورہ میں عبدالغفار صابرؔ (راقم الحروف کے خسر محترم) سے ہنگامی مڈبھیڑ کا کھٹکا لاحق رہے گا۔ ویسے تو بظاہر آپ شاعری سے بیزار نظر آتے ہیں لیکن اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ خیر ایک راستے سے آتا ہے تو شر دس راستوں سے۔ اور اس سے پہلے کہ دس راستوں کے دہانے موصوف کی ذات پر از سرِ نو کھل جائیں۔ سامع کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ احتیاط برت کر قلب شہر سے جتنی جلدی ہو سکے نکل بھاگے۔ بہر حال یہاں سے سامع جنوب کی سمت مارچ کرتا ہے اور مسجدِ عالمگیری (چھوٹی مسجد) سے گذرتا ہوا مسجدِ دارالشفاء کی آغوش میں بدّھے خاں چوک پہنچتا ہے تو یہاں سعید افسرؔ، عزیز ظفرؔ، ذاکر عابدیؔ، ہارون شیداؔ، جانی شیداؔ، قیصر زیدیؔ، محمد علی شاداںؔ جیسے شعراء مستقل پڑاؤ ڈالے ملیں گے اور غول در غول سامع کی سماعت پہ شب خون ماریں گے۔ شعراء کے چنگل سے جان بچا کر جب سامع تھوڑا سا آگے بڑھے تب یہاں الحاج سیٹھ عبدالقادر صاحب (بانی و سرپرست رحمانیہ ہائی اسکول و جونیر کالج) سامع کو اپنی آغوش میں بھر لیں گے اور بجائے اسے کچھ سنانے کے اس کی پریشانیاں سنیں گے اور چائے پان کی ضیافت کے بعد کہیں گے، "آپ کے پاس ادارۂ رحمانیہ کی بہتر کارکردگی کے لیے کوئی

مشورہ ہو تو بتایئے۔"الغرض سننے سنانے کے بعد سامع جب جامع مسجد کی آغوش میں آباد پیر باون پورے میں قاسم رضا صاحب کے پاس دادرسی کو جائے تو یہاں بھی سامع کی بد قسمتی رنگ دکھائے گی کیونکہ ان دونوں باون پوروں کے پیر (قاسم رضا صاحب) بجائے پیر باون پورے کے بمبئی میں فیض عام لٹا رہے ہیں۔ویسے شہر میں مظلوم سامع کو صحتِ شافۂ دستیاب ہو سکتی تھی اگر ڈاکٹر نعیم الدین صاحب، ڈاکٹر سید عبدالرحیم صاحب، اور ڈاکٹر سید صفدر صاحب ادب کے شفاخانے بجائے امراؤتی، ناگپور اور ورود کے اچل پور میں جاری وساری رکھتے۔ خیر شمال جنوب سے گذرنے کے بعد جب سامع مغربی سمت جائے تو یہاں کبیر حنفی اس کے دم خم نکال کر رکھ دیں گے۔ کبیر حنفی اسے غزلیں، نظمیں، حمد، نعت، منقبت تو سنائیں گے ہی نیز اسے اسلامی دعوت بھی دے ڈالیں گے اور کمزور و نحیف دنیادار سامع پر دین کی قوی ذمہ داریاں لاد کر رکھ دینگے۔

اب صاحب شہر کی آخری سمت یعنی مشرق کا ماجرا یہ ہے کہ یہاں محلہ بیابانی آباد ہے، مشرقی پختہ دروازے سے کچھ اِدھر جہاں متین اچل پوری رہتے ہیں۔اپنی متانت کے باوجود متین اچل پوری، جدیدیت کے سنگین ڈنڈے اور حقائق کے درّے سے کاری ضربیں پہنچا کر سامع کی کھال ادھیڑ کر رکھ دینگے۔ محلہ بیابانی میں ہی حیدر بیابانی اپنے ذاتی قد کی طرح اونچے ادبی قد کے ساتھ رہتے بستے ہیں۔ لیکن یہاں بھی ستم رسیدہ سامع محفوظ نہ رہ پائے گا کیونکہ 'سو بکانہ ایک لکھا' کے براری محاورے پر گذشتہ کئی برسوں سے عمل پیرا ہیں۔اس لیے حیدر بیابانی اپنی کتابیں (جن میں ان کی شاعری کے مہلک جراثیم کلبلاتے ہیں) اٹھا کر سامع پر لاد دینگے۔ گویا سامع کو اپنے دوش اور ہوش دونوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہانپتے کانپتے سامع کو دیکھ کر

سید غلام علی بے ہوش سامع پر چڑھ دوڑینگے اور اس بے سدھ سامع کی وہ دادرسی بھی کریں گے اور مسیحائی بھی۔ اسے ہوش میں لائیں گے اور اس کے کان میں شعراء کو برا بھلا کہیں گے (یہ عمل محض اس لیے کہ موصوف ادب کے ڈاکٹر جو ہونے والے ہیں) اور جب سامع کے حواس بحال ہونگے تب یہ اس سے پہلا سوال یہ کریں گے کہ بھائی تمہارے گھرانے میں تمہارے باپ دادا یا پر دادا کا کوئی پھٹا پرانا مخطوطہ ہوگا؟ اور یہیں سامع کی کوئی نیکی یقیناً آڑے آئے گی کہ گلشن بیلابانی بیاباں کی جگہ نیر پر سوپنت میں گل کھلا رہے ہوں گے ورنہ سامع کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے میں وہ بھی کافی مہارت رکھتے ہیں۔ یہ مضمون واقعی ادھورا ہوگا اگر میں اس تاریخی شہر کے لوگوں کی تاریخی عادت کا ذکر نہ کروں۔ وہ یہ کہ میرے شہر کے پڑھے لکھے طبقے کی اکثریت اخبار و رسائل مانگ کے پڑھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اخبار کے مطالعے کے دوران یہ بآسانی تین تین چار چار مرتبہ چائے ہوٹل میں بیٹھ کر پی لیتے ہیں لیکن پچاس ساٹھ پیسے خرچ کر کے اخبار خریدنے کے موڈ میں نہیں ہوتے اب چاہے اسے کوئی ہوٹل مالکوں کو مالی اعانت سمجھے یا پریس دشمنی یا صحافتی کدورت۔

ان تمام حقائق و کیفیات کے باوجود یہ تاریخی سچائی ہے کہ شہر کے ایسے رنگارنگ ماحول سے مجھے انس ہے، ہر پیکر سے والہانہ عشق ہے۔ یہی مرے شہر کی تاریخ بھی ہے اور توصیف بھی۔

☆☆☆

عہدِ وسطیٰ کی تاریخ میں علاقۂ برار اور خاص طور سے شہر اچل پور تقریباً پانچ صدیوں تک سیاسی، سماجی اور ثقافتی اہمیت کا حامل رہا۔ علاقۂ برار کا پایۂ تخت ہونے کے ناطے اُس عہد میں یہ شہر اربابِ اقتدار کے علاوہ امراء، علماء، شعراء اور دیگر ماہرینِ فنونِ لطیفہ کی سرگرمیوں کا بھی مرکز رہا۔ ۱۹ ویں صدی عیسوی میں بلاشبہ اس شہر کی اہمیت کم ہوگئی لیکن اس کے ماضی کی تابناکی تاریخ میں دل چسپی رکھنے والوں کے لیے عام طور سے اور اہلِ برار کے لیے خاص طور سے ہمیشہ جاذبیت کی حامل رہی۔

شہر اچل پور کے مختلف طرزِ فنِ تعمیر، آثارِ قدیمہ، یہاں کی زبان، ادب اور فنونِ لطیفہ کے علاوہ یہاں کے باشندوں کی بودوباش، مذہبی رجحانات، یک جہتی وہم آہنگی، تہواروں اور تقریبوں کی رسمیں اور روایات بھی اپنا امتیازی مقام رکھتی ہیں ____ اِس سلسلے میں سبھی کی خواہش تھی کہ اچل پور کی تاریخ، کتبات، اولیاء، علماء، ادب وشاعری، طرزِ فنِ تعمیر، ادبی تصانیف وغیرہ پر کچھ سنجیدہ کام ہو۔ اِسی کے پیشِ نظر ۴ رجنوری ۱۹۹۷ء کو ایک سیمنار بعنوان "اچل پور تاریخ وادب کے آئینے میں" منعقد کیا گیا۔ سیمنار میں پیش کیے گیے مقالات اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے بہت جامع اور وقیع تھے۔ یہ کتاب "اچل پور : تاریخ اور ثقافت" ایک طرح سے اُس سیمنار کی پروسیڈنگ ہے۔ سیمنار میں اچل پور کے جن پہلوؤں کو نہیں چھوا گیا تھا اُن پر بھی کچھ مضامین خاص طور سے لکھوا کر شاملِ اشاعت کر دیئے گیے ہیں تاکہ یہ کتاب اچل پور پر مکمل SOURCE BOOK بن جائے اور قاری کو اچل پور کے حوالے سے مکمل مواد ایک ہی جگہ دستیاب ہو جائے۔

مرتّب

LIBRARY EDITION
Rs. 200/-

PAPER BACK EDITION
Rs. 125/-